مختلف موضوعات پر چالیس احادیث کا مدنی گلدستہ

تخریج شدہ

منتخب حدیثیں

مؤلف:
شیخ الحدیث حضرت علامہ
عبدالمصطفیٰ اعظمی

مدنی چینل
دیکھتے رہیے

مکتبۃ المدینہ
(دعوتِ اسلامی)
SC1286

(دعوتِ اسلامی)

یاد داشت

دورانِ مطالعہ ضرورتاً انڈر لائن کیجئے، اشارات لکھ کر صفحہ نمبر نوٹ فرما لیجئے، ان شاءاللہ عزوجل علم میں ترقّی ہوگی۔

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

منتخب حدیثیں

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ؕ

جو رسول کی اطاعت کرے تو یقیناً اس نے اللہ عزوجل کی اطاعت کی

نوادر الحدیث

چالیس حدیثوں کا ترجمہ اور شرح

المعروف

منتخب حدیثیں

مؤلف

شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی

پیش کش

مجلس المدینة العلمیة (دعوتِ اسلامی)

(شعبۂ تخریج)

ناشر

مکتبة المدینه باب المدینه کراچی

الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ   وعلی الک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب	:	منتخب حدیثیں
مؤلف	:	شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی
پیش کش	:	شعبہ تخریج (مجلس المدینة العلمیة)
سن طباعت	:	جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ، 4 مئی 2009ء
ناشر	:	مکتبۃ المدینہ فیضانِ مدینہ محلّہ سوداگران پرانی سبزی منڈی باب المدینہ کراچی
قیمت	:	

مکتبة المدینه کی شاخیں

مکتبۃ المدینہ شہید مسجد کھارادر باب المدینہ کراچی

مکتبۃ المدینہ دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ مرکز الاولیاء لاہور

مکتبۃ المدینہ اصغر مال روڈ نزد عیدگاہ، راولپنڈی

مکتبۃ المدینہ امین پور بازار، سردار آباد (فیصل آباد)

مکتبۃ المدینہ نزد پیپل والی مسجد اندرون بوہڑ گیٹ مدینۃ الاولیاء ملتان

مکتبۃ المدینہ فیضانِ مدینہ آفندی ٹاؤن، حیدر آباد

مکتبۃ المدینہ چوک شہیداں میر پور کشمیر

E.mail:ilmia26@yahoo.com

www.dawateislami.net

مدنی التجاء: کسی اور کو یہ (تخریج شدہ) کتاب چھاپنے کی اجازت نہیں

فہرس

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
اس کتاب کو پڑھنے کی نیتیں	7	﴿۲﴾ **ارکانِ اسلام**	55
پیش لفظ	11	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ	56
تعارفِ مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ	15	اس حدیث کی شان	57
احادیثِ دل	24	توضیحِ الفاظ	58
حدیث کی چند اصطلاحیں	28	عبادت	59
دین میں حدیث کا مقام	30	تعظیم وعبادت میں فرق	59
منصبِ رسالت	31	شرک	59
منکرینِ حدیث کی نفسانیت	32	شرحِ حدیث	60
لطیفہ	33	ایمان	62
﴿۱﴾ **نیت کا پھل**	35	اللہ پر ایمان	63
حضرت عُمر رضی اللہ تعالٰی عنہ	35	فرشتوں پر ایمان	63
اس حدیث کی خصوصیات	36	لِقائے الٰہی پر ایمان	64
توضیحِ الفاظ	39	رسولوں پر ایمان	64
نیت	39	اسلام کے معنی	64
ہجرت	39	کلمۂ شہادت	65
دنیا	40	نماز	65
ارشادِ حدیث کا باعث	41	زکوٰۃ وروزہ	66
شرحِ حدیث	42	حج	66
حکایت	44	احسان کی حقیقت	66
حکایت	45	قیامت کی نشانیاں	67
ایک عمل چند نیت	46	قیامت کا علم	69
بُری نیت کا انجام	48	خلاصۂ کلام	73
اچھی نیت کا ثمرہ	49	مسائلِ حدیث	73
فقط نیت پر ثواب	50	﴿۳﴾ **درختِ ایمان کی شاخیں**	75
فوائد ومسائل	52	توضیحِ الفاظ	75

شرحِ حدیث	76	فوائد ومسائل	104
حیا بڑی شاخ کیوں ہے؟	77	﴿۹﴾ **حدیث گھڑنے والا جہنمی ہے**	108
ساٹھ یا ستّر؟	77	رِبْعی بن حِراش	108
فوائد ومسائل	79	حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم	109
﴿٤﴾ **کون مسلمان افضل ہے؟**	80	شرحِ حدیث	109
حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	80	فوائد ومسائل	110
شرحِ حدیث	81	﴿۱۰﴾ **عذابِ قبر**	113
فوائد ومسائل	81	حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	114
﴿٥﴾ **مومنِ کامل**	83	شرحِ حدیث	114
حضرت اَنَس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ	84	گناہ کبیرہ کون کون ہیں؟	115
شرحِ حدیث	85	گناہ کبیرہ کس کو کہتے ہیں؟	117
فوائد ومسائل	86	چغلی کیا ہے؟	117
ایک ضروری انتباہ	86	دوسری نجاستوں اور گناہوں سے بھی بچو	117
﴿٦﴾ **علاماتِ نفاق**	89	عالم برزخ کا علم	118
حضرت عبداللہ بن عُمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ	90	قبر پر پھول	119
شرحِ حدیث	91	قبر کے پاس تلاوت	119
فوائد ومسائل	92	ایصالِ ثواب	119
امانت میں خیانت	93	سوال وجواب	120
جھوٹ	95	﴿۱۱﴾ **ایمان کی مٹھاس**	121
عہد شکنی	96	شرحِ حدیث	122
گالی	96	اللہ ورسول سے محبت	123
﴿۷﴾ **مُشْتَبِہ چیزوں سے بچو**	98	حُبٌّ فی اللہ	123
حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	99	حکایت	124
شرحِ حدیث	99	کفر آگ میں جانے کے برابر	126
فوائد ومسائل	102	فوائد ومسائل	127
﴿۸﴾ **علماء دین**	102	﴿۱۲﴾ **رسول کی بَیْعَت**	127
حضرت امیرِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	103	حضرت عُبادَہ بن صامِت رضی اللہ تعالیٰ عنہ	128
شرحِ حدیث	103	توضیحِ الفاظ	129

بدر	129	﴿۱۹﴾ آقا اور غلام ایک لباس میں	156
نُقباء	130	حضرت ابوذَر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	157
لیلۃ العَقَبہ	130	رَبَذَہ	157
شرحِ حدیث	131	شرحِ حدیث	158
پیری مریدی	132	حضرت ابوذَر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک شاہکار	159
﴿۱۳﴾ دنیا میں لباس آخرت میں ننگی	134	مسائلِ حدیث	160
حضرت اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	134	﴿۲۰﴾ زمین کی پیٹھ بہتر یا پیٹ؟	162
فوائدِ حدیث	135	شرحِ حدیث	162
مسائلِ حدیث	137	﴿۲۱﴾ پانچ گناہ پانچ عذاب	165
﴿۱۴﴾ خونِ ناحق	137	شرحِ حدیث	165
حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	138	﴿۲۲﴾ نبی کا علمِ مَاکَانَ وَمَا یَکُوْن	167
حجۃُ الوداع	138	حضرت عمرو بن اَخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	168
شرحِ حدیث	139	شرحِ حدیث	168
فوائد ومسائل	139	مسائلِ حدیث	169
﴿۱۵﴾ کتے کو پانی پلانے والا	140	﴿۲۳﴾ نعت خوانی کا اہتمام	171
فوائد ومسائل	140	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	171
﴿۱۶﴾ بلی کو بھوک سے مارنے والی	143	حضرت حَسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ	173
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	144	فوائد ومسائل	173
فوائد ومسائل	145	﴿۲۴﴾ دنیا نگاہِ نبوت میں	174
﴿۱۷﴾ وَعظ کیلئے دن مقرر کرنا	146	فوائد ومسائل	175
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ	147	﴿۲۵﴾ جنت کی گارنٹی	178
فوائد ومسائل	148	فوائد ومسائل	179
﴿۱۸﴾ فتنوں کا سیلاب	150	لطیفہ	181
حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	150	﴿۲۶﴾ راستوں کا حق	182
توضیحِ الفاظ	151	فوائد ومسائل	183
شرحِ حدیث	152	﴿۲۷﴾ جنت کا باغ	184
فوائد ومسائل	153	فوائد ومسائل	185
گوشہ نشینی	154		

﴿۲۸﴾ وسیلہ	188	﴿۳۴﴾ غیبت زنا سے بدتر	212
فوائدومسائل	188	حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	213
﴿۲۹﴾ تبرکاتِ نبوّت	191	فوائدومسائل	213
حضرت ابوبُردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	191	غیبت کیا ہے؟	214
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ	192	کن کن لوگوں کی غیبت جائز ہے؟	215
فوائدومسائل	192	﴿۳۵﴾ پہلوان کون ہے؟	216
تبرکاتِ نبوّت کی تعظیم	192	شرحِ حدیث	216
موئے مبارک کی زیارت	194	جسمانی وروحانی طاقت	217
لطیفہ	195	غصّہ	217
﴿۳۰﴾ تصویریں	198	ایک مثال	219
حضرت سعید بن ابی الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ	199	﴿۳۶﴾ درازیٔ عمر کا نسخہ	220
شرحِ حدیث	200	فوائدومسائل	220
فوائدومسائل	200	ایک سوال وجواب	221
﴿۳۱﴾ زمین کے خزانے	201	﴿۳۷﴾ قبر میں ثواب	223
حضرت عُقْبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	202	شرحِ حدیث	223
فوائدومسائل	202	﴿۳۸﴾ بیٹیاں	225
زیارتِ قبور	202	فوائدومسائل	226
﴿۳۲﴾ علماء کی دست بوسی	208	﴿۳۹﴾ خیرخواہی	228
حضرت زَارِع رضی اللہ تعالیٰ عنہ	209	شرحِ حدیث	229
فوائدومسائل	209	حضرت مُغِیرہ بن شُعْبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	230
﴿۳۳﴾ تین مُنْجِیات تین مُہلکات	210	فوائدومسائل	231
فوائدومسائل	211	﴿۴۰﴾ بول میں ہلکے تول میں بھاری	232
تقویٰ	211	فوائدومسائل	233
حق بولنا	211	چند محدثین کا تعارف	235
درمیانی چال	211	دعا	244
خواہشِ نفس کی پیروی	211	قطعاتِ تاریخ	245
بخیلی کی اطاعت	212	مآخذ ومراجع	246
اپنی ذات پر گھمنڈ	212		

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

''پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں'' کے بیس حُروف کی نسبت سے اس کتاب کو پڑھنے کی ''20 نیّتیں''

فرمانِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم: ''اچھی نیّت بندے کو جنّت میں داخل کر دیتی ہے۔''

(الجامع الصغیر،الحدیث ۹۳۲۶،ص ۵۵۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

دو مَدَنی پھول: ﴿1﴾ بغیر اچھی نیّت کے کسی بھی عملِ خیر کا ثواب نہیں ملتا۔
﴿2﴾ جتنی اچھی نیّتیں زِیادہ، اُتنا ثواب بھی زِیادہ۔

﴿1﴾ ہر بار حَمد و ﴿2﴾ صلوٰۃ اور ﴿3﴾ تعوُّذ و ﴿4﴾ تَسمِیہ سے آغاز کروں گا (اسی صَفْحَہ پر اُوپر دی ہوئی دو عَرَبی عبارات پڑھ لینے سے چاروں نیّتوں پر عمل ہو جائے گا) ﴿5﴾ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کیلئے اس کتاب کا اوّل تا آخر مطالَعہ کروں گا ﴿6﴾ حتَّی الامکان اِس کا باوُضو اور ﴿7﴾ قبلہ رُو مُطالَعہ کروں گا ﴿8﴾ قرآنی آیات اور ﴿9﴾ اَحادیثِ مبارَکہ کی زِیارت کروں گا ﴿10﴾ جہاں جہاں ''اللّٰہ'' کا نام پاک آئے گا وہاں عَزَّوَجَلَّ اور ﴿11﴾ جہاں جہاں ''سرکار'' کا اِسمِ مبارَک آئے گا وہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم پڑھوں گا ﴿12﴾ (اپنے ذاتی نسخے پر) ''یادداشت'' والے صَفْحَہ پر ضَروری نِکات لکھوں گا ﴿13﴾ (اپنے ذاتی نسخے پر) عِندَ الضَّرورت (یعنی ضرورتاً) خاص خاص مقامات پر انڈر لائن کروں گا ﴿14﴾ کتاب مکمّل پڑھنے کے لیے بہ نیّتِ حُصولِ علمِ دین روزانہ کم از کم چار صفحات پڑھ کر علمِ دین حاصل کرنے کے ثواب کا حقدار بنوں گا ﴿15﴾ دوسروں کو یہ کتاب پڑھنے کی ترغیب دلاؤں گا

﴿16﴾ اس حدیثِ پاک " تَهَادَوْا تَحَابُّوْا " ایک دوسرے کو تحفہ دو آپس میں محبت بڑھے گی (المؤطا للامام مالك،الحديث: ١٧٣١،ج٢،ص٤٠٧ ، دارالمعرفة بيروت) پر عمل کی نیت سے (ایک یاحسبِ توفیق تعداد میں) یہ کتابیں خرید کر دوسروں کو تحفۃً دوں گا ﴿17﴾ جن کو دوں گا حتَّی الامکان انہیں یہ ہَدَف بھی دوں گا کہ آپ اِتنے (مَثَلاً 41) دن کے اندر اندر مکمَّل پڑھ لیجیے ﴿18﴾ اس کتاب کے مطالَعے کا ساری اُمّت کو ایصالِ ثواب کروں گا ﴿19﴾ ہر سال ایک بار یہ کتاب پوری پڑھا کروں گا ﴿20﴾ کتابت وغیرہ میں شَرعی غَلَطی ملی تو ناشرین کو تحریری طور پر مُطَّلع کروں گا۔ (ناشِرین ومصنّف وغیرہ کو کتابوں کی اَغلاط صِرف زبانی بتانا خاص مفید نہیں ہوتا)

اچھی اچھی نیّتوں سے متعلق رَہنمائی کیلئے، **امیرِ اہلسنّت** دامت بَرَکاتُہم العالیہ کا سنّتوں بھرا بیان **"نیّت کا پھل"** اور نیتوں سے متعلق آپ کے مُرتّب کردہ **کارڈ** اور **پمفلٹ** **مکتبة المدينه** کی کسی بھی شاخ سے ھدِیّۃً طلب فرمائیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

المدینة العلمیة

از: شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علاّمہ
مولانا ابو بلال **محمد الیاس عطار** قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَبِفَضْلِ رَسُوْلِہٖ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم تبلیغِ قرآن وسنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **''دعوتِ اسلامی''** نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اشاعتِ علمِ شریعت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مُصمّم رکھتی ہے، اِن تمام اُمور کو بحسنِ خوبی سر انجام دینے کے لئے متعدّد مجالس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جن میں سے ایک مجلس ''**المدینة العلمیة**'' بھی ہے جو **دعوتِ اسلامی** کے عُلماء و مُفتیانِ کرام کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ تعالٰی پر مشتمل ہے، جس نے خالص علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں:

﴿۱﴾ شعبۂ کُتُبِ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ﴿۲﴾ شعبۂ درسی کُتُب
﴿۳﴾ شعبۂ اصلاحی کُتُب ﴿۴﴾ شعبۂ تراجمِ کتب
﴿۵﴾ شعبۂ تفتیشِ کُتُب ﴿۶﴾ شعبۂ تخریج

''**المدینة العلمیة**'' کی اوّلین ترجیح سرکارِ اعلیٰحضرت اِمامِ اَہلسنّت، عظیم البرکت، عظیمُ المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجدِّدِ دین ومِلّت، حامیٔ سنّت، ماحیٔ

بدعت، عالمِ شریعت، پیرِ طریقت، باعثِ خیر وبرکت، حضرتِ علّامہ مولٰینا الحاج الحافِظ القاری الشّاہ امام اَحمد رَضا خان عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ الرَّحۡمٰن کی گراں مایہ تصانیف کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتَّی الوَسع سَہۡل اُسلُوب میں پیش کرنا ہے۔تمام اسلامی بھائی اور اسلامی بہنیں اِس علمی، تحقیقی اور اشاعتی مدنی کام میں ہر ممکن تعاون فرمائیں اور مجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کُتُب کا خود بھی مطالَعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی اِس کی ترغیب دلائیں۔

اللّٰہ عزوجل ''دعوتِ اسلامی'' کی تمام مجالس بَشُمُول ''**المدینۃ العلمیۃ**'' کو دن گیارہویں اور رات بارہویں ترقّی عطا فرمائے اور ہمارے ہر عملِ خیر کو زیورِ اخلاص سے آراستہ فرما کر دونوں جہاں کی بھلائی کا سبب بنائے۔ہمیں زیرِ گنبدِ خضرا شہادت، جنّت البقیع میں مدفن اور جنّت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلّم

رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ عزوجل نے اپنے پیارے حبیب، حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اور اتباع وپیروی کا نہایت ہی وضاحت وصراحت کے ساتھ حکم دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ج وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (پ ۲۸، الحشر: ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اس اعتبار سے رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کی اطاعت ہمارے لیے واجب ہے کیونکہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بھی بالواسطہ خدا عزوجل ہی کا حکم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی o اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی o (پ ۲۷، النجم: ۳، ٤)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

قرآن ظاہری وحی ہے اور حدیث خفی، قرآن مجید کی طرح حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی احکام شریعت کا بنیادی ماخذ ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احکام وفرامین اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال وافعال، آیات قرآنی کی تشریحات ومرادات سے باخبر ہونے کا اہم ذریعہ ہیں کیونکہ حدیث کی رہنمائی کے بغیر احکام الٰہی کی تفصیلات جاننا اور آیات قرآنی کا منشا ومراد سمجھنا ممکن نہیں، بہت سے قرآنی احکام ایسے

ہیں کہ ان کے اجمال کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے، مثلاً نماز، زکوٰۃ، اور حج وغیرہ بہت سارے امور ہیں جن کے احکام کی تفصیل حدیث میں مذکور ہے، حدیث سے استفادہ کیے بغیر ایسے امور کا علم اور ان پر عمل متصور نہیں، لہٰذا احکام قرآنیہ پر کماحقہ عمل کے لیے حدیث کی رہنمائی ناگزیر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حدیث کی تحصیل وتوثیق اور اشاعت کے لیے بڑی محنت اور احتیاط سے کام لیا، اسی طرح تابعین وتبع تابعین اور ائمہ ومحدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی حدیث کی اشاعت میں پوری دیانت داری اور احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا اور تدوین حدیث کا شاندار کارنامہ سرانجام دیا، اسی کا ثمرہ ہے کہ احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہمیں دستیاب ہے اور اس سے اکتساب علم کا سلسلہ جاری وساری ہے جو ان شآءاللہ عزوجل تاقیامت رہے گا۔ ہر دور کے محدثین وشارحین رحمہم اللہ المبین نے احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مختلف ترتیب کے ساتھ اپنی کتب میں جمع کیا بالخصوص چالیس احادیث جمع کرنے کا سلسلہ تو اس قدر عام ہوا کہ گزشتہ چند صدیوں میں اس پر بہت ساری کتب تالیف ہوئیں کیونکہ چالیس احادیث کی اشاعت سے متعلق سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان رحمت نشان ہے: ”جو شخص دینی معاملات کے متعلق چالیس حدیثیں یاد کرکے میری امت تک پہنچادے گا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کو اس شان کے ساتھ اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اسکے لئے گواہی دوں گا۔“ (مشکاۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث، الحدیث ۲۵۸، ج۱، ص۶۸، دارالکتب العلمیة بیروت) لہٰذا محدثین رحمہم اللہ المبین نے اس حدیث کی بنا پر نہ صرف چالیس حدیثیں ایک جگہ جمع کیں بلکہ ان کی شروحات بھی تحریر فرمائیں اور اس طرح امت کو ایک عظیم علمی خزانہ بھی مرحمت فرمادیا ان شآءاللہ عزوجل امت اس سے

نفع اٹھاتی رہے گی اور ان محدثین کو صدقہ جاریہ پہنچتا رہے گا۔

شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبد المصطفیٰ الاعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے بھی ''**نوادر الحدیث**'' المعروف ''**منتخب حدیثیں**'' کے نام سے چالیس احادیث کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا جس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عمومی اور اہم موضوعات پر احادیث جمع فرمائیں اور ان کی تشریح میں ان باتوں کا اہتمام فرمایا: راوی کا مختصر تذکرہ، حدیث کی تشریح و خصوصیات، الفاظ کی توضیح، شرعی مسائل اور (موقع کی مناسبت سے) عقائد اہلسنت والجماعت کی وضاحت وغیرہ۔

الحمد للہ! عزوجل تبلیغِ قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک ''**دعوتِ اسلامی**'' کی مجلس ''**المدینة العلمیة**'' اکابرین و بزرگانِ اہلسنت رحمہم اللہ تعالیٰ کی مایہ ناز کتب کو حتّی المقدور جدید انداز میں شائع کرنے کا عزم کیے ہوئے ہے، اشاعت علم دین کا یہ سلسلہ خوش اسلوبی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے اور کئی کتب زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں اور اب ''**منتخب حدیثیں**'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، حدیث پاک کی اشاعت سے متعلق سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان فرحت نشان ہے: ''اللہ عزوجل اسے ہرا بھرا رکھے جو ہم سے کچھ سنے پھر جیسا سنے ویسا ہی پہنچا دے۔''

(مشکاة المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی، الحدیث: ۲۳۰، ج ۱، ص ۶۵، دارالکتب العلمیة بیروت) لہٰذا مبلغین اس فضیلت کو پانے اور شیخ طریقت، امیر اہلسنت، بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ کے عطا کردہ مدنی انعامات میں سے، روزانہ بارہ منٹ کسی سنی عالم کی کتاب کا مطالعہ کرنے والے مدنی انعام پر عمل کی نیت سے ایک حدیث اور اسکی شرح کا مطالعہ کریں اور اپنے بیانات کے ذریعے دیگر اسلامی بھائیوں تک پہنچائیں، ان شاء اللہ عزوجل بے شمار برکتوں اور ثواب

کے حصول کا ذریعہ ہوگا اللہ عزوجل ہمیں اخلاص عطا فرمائے، آمین۔ اس کتاب پر مدنی علمائے کرام دامت فیوضہم کے کام کی تفصیل درج ذیل ہے:

﴿۱﴾ کتاب پر کام شروع کرنے سے پہلے اس کتاب کے مختلف نسخوں میں حتی المقدور صحیح ترین نسخے کا انتخاب کرنے کی کوشش کی گئی ﴿۲﴾ جدید تقاضوں کے مطابق کمپیوٹر کمپوزنگ جس میں رموزِ اَوقاف (فُل اسٹاپ، کاماز، کالنز وغیرہ) کا مقدور بھر اہتمام کیا گیا ہے ﴿۳﴾ کمپوز شدہ مواد کا اصل سے تقابل تاکہ محذوفات ومکررات وغیرہ جیسی اغلاط نہ رہیں ﴿٤﴾ عربی عبارات، سنِ واقعات اور اَسمائے مقامات و مذکورات کی اصل مآخذ سے تطبیق ﴿۵﴾ آیاتِ قرآنیہ، اَحادیث وروایات وغیرہا کی اصل مآخذ سے حتی المقدور تخریج وتطبیق ﴿٦﴾ حوالہ جات کی تفتیش تاکہ اغلاط کا امکان کم سے کم ہو ﴿۷﴾ اِرتباطِ متن وحواشی یعنی حوالہ جات وغیرہ کو متن سے جدا رکھتے ہوئے اسی صفحہ پر نیچے حاشیہ میں تحریر کیا گیا ہے ﴿۸﴾ امام اہلسنت، مجدد دین وملت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ اللہ المنان کے شہرۂ آفاق ترجمۂ قرآن **"کنز الایمان"** کا ذوق رکھنے والوں کے لیے حاشیہ میں قرآنی آیات کا ترجمہ کنز الایمان سے دیا گیا ہے جبکہ متن میں مصنف علیہ الرحمۃ کے ترجمہ کو برقرار رکھا گیا ہے ﴿۹﴾ اور آخر میں مآخذ ومراجع کی فہرست مصنفین ومؤلفین کے ناموں، ان کے سن وفات اور مطابع کے ساتھ ذکر کردی گئی ہے۔

اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اِستِدعا ہے کہ اس کتاب کو پیش کرنے میں علمائے کرام دامت فیوضہم نے جو محنت وکوشش کی اسے قبول فرما کر انہیں بہترین جزا دے اور انکے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے اور دعوتِ اسلامی کی مجلس "المدینة العلمیة" اور دیگر مجالس کو دن گیارھویں رات بارھویں ترقی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

شعبۂ تخریج مجلس المدینة العلمیة

تعارفِ مصنف

حضرت الحاج مولانا عبدالمصطفیٰ الاعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ کو اپنے آبائی وطن گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔

شجرہ نسب یہ ہے

محمد عبدالمصطفیٰ بن شیخ حافظ عبدالرحیم بن شیخ حاجی عبدالوہاب بن شیخ چمن بن شیخ نور محمد بن شیخ مٹھو بابا رحمہم اللہ تعالیٰ۔

آپ کے والد گرامی حضرت حافظ عبدالرحیم صاحب حافظ قرآن، اردو خواں، واقف مسائل دینیہ، متقی، پرہیز گار تھے۔ گاؤں کے مشہور بزرگ حافظ عبدالستار صاحب سے شرف تلمّذ حاصل تھا جو حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بڑے بھائی حضرت شاہ سید اشرف حسین صاحب قبلہ کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے چند سال ہوئے انتقال فرما گئے۔

تعلیم

علامہ اعظمی صاحب قرآن مجید اور اردو کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کر کے مدرسہ اسلامیہ گھوسی میں داخل ہوئے اور اردو فارسی کی مزید تعلیم پائی۔ چند ماہ مدرسہ ناصر العلوم گھوسی میں بھی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ معروفیہ معروف پورہ میں میزان سے شرح جامی تک پڑھا۔ پھر ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ ضلع مراد آباد (یوپی) کا رخ کیا اور وہاں شیخ العلماء حضرت مولانا شاہ اویس حسن عرف غلام جیلانی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف متوفی ۱۳۹۷ھ)

اور حضرت مولانا حکمت اللہ صاحب قبلہ امروہی اور حضرت مولانا سید محمد خلیل صاحب چشتی کاظمی امروہی کی خدمت میں ایک سال رہ کر اِکتِساب فیض کیا۔

اس کے بعد ۱۳۵۲ھ میں حضرت صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہمراہ بریلی شریف تشریف لے گئے اور مدرسہ منظر اسلام محلہ سوداگران بریلی میں داخل ہوکر تعلیمی سلسلہ شروع فرمایا۔ ملا حسن، میبذی وغیرہ چند کتابیں حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد صاحب چشتی گورداسپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھیں باقی کتابیں حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھیں۔

اس دوران حُجّۃُ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (خلف اکبر سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ) کی خدمت میں حاضری دی اور شرفیاب ہوئے۔ موصوف آپ پر بڑا کرم فرمایا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے برادرِ خُورد حضرت مولانا محمد رضا خان صاحب عرف ننھے میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرائض کی مشق کی اور حضور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (زیب سجادہ عالیہ قادریہ رضویہ بریلی شریف، خلف اصغر حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ) کے دار الافتاء میں بھی حاضری دی۔

بریلی شریف میں دوران طالب علمی آپ کی اقتصادی حالت اچھی نہیں تھی۔ مسجد کی امامت اور ٹیوشن سے اخراجات پورے کرتے تھے۔ جب حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بریلی سے رخصت ہوکر مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ میں مَسنَد تدریس پر جلوہ فرما ہوئے تو مولانا اعظمی صاحب بھی بریلی شریف نہ رہ سکے اور ۱۰ شوال ۱۳۵۵ھ کو علی گڑھ حضرت صدر الشریعہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ میں داخلہ لیا اور امتحانات میں اچھی پوزیشن سے کامیاب ہوکر

انعامات بھی حاصل کیے۔

علی گڑھ کے دورانِ قیام حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (خلیفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ) کی خدمت میں بھی حاضری دیتے اور علمی اکتساب فرماتے رہے۔

۱۳۵۶ھ میں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں سے سند فراغ حاصل کیا۔ حضرت مولانا سید شاہ مصباح الحسن صاحب چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سر پر دستار فضیلت باندھی۔

بیعت

۷ صفر المظفر ۱۳۵۳ھ میں حضرت قاضی ابن عباس صاحب عباسی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پہلے عرس میں حضرت الحاج حافظ شاہ ابرار حسن خان صاحب نقشبندی شاہ جہانپوری (جو قاضی صاحب موصوف کے پیر بھائی تھے) سے مرید ہوئے۔

۲ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ کو حضرت شاہ ابرار حسن صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد آپ کے خلیفۂ برحق الحاج قاضی محبوب احمد صاحب عباسی نقشبندی سے بھی اکتساب فیض کیا۔

چونکہ شروع ہی سے موصوف کا رجحان سلسلۂ نقشبندیہ کی طرف زیادہ تھا اسی لیے اس سلسلے میں مرید ہوئے مگر دیگر سلاسل کے بزرگوں سے بھی اکتساب فیض و برکات کا سلسلہ جاری رکھا۔

۲۵ صفر المظفر ۱۳۵۸ھ میں عرس رضوی کے مبارک و مسعود موقع پر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان صاحب (م ۱۳۶۲ھ) نے سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ کی خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔

سلسلۂ تدریس

فارغ التحصیل ہونے کے بعد سب سے پہلے مدرسہ اسحاقیہ جودھ پور (راجھستان) میں مدرس ہوئے۔ درس نظامی کا افتتاح فرمایا اور مدرسہ ترقی کی راہ پر چل نکلا تھا کہ اچانک جودھ پور میں ہندو مسلم فساد ہونے کی وجہ سے بہت سے بیرونی علماء کے ساتھ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو گرفتار کیا گیا اور بعد میں اِشْتِعَال اَنگیز تقریر کرنے کا الزام لگا کر حکومت نے شہر بدر کر دیا جس سے مدرسہ کو بھی نقصان ہوا اور مولانا موصوف کو بھی وہاں سے آنا پڑا۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں حضرت قاضی محبوب احمد صاحب کی دعوت پر امروہہ تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ محمدیہ حنفیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں جس کا سلسلہ تین سال تک رہا۔ اس وقت وہاں پر مولانا سید محمد خلیل صاحب کاظمی امروہی صدر مدرس تھے اس دوران بھی موصوف سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد ۱۹۴۲ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارکپور میں تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا اور گیارہ سال تک یہاں بھی درس دیتے رہے اور اس کی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصہ لیا۔

۱۹۵۲ء میں آپ کا احمد آباد گجرات بسلسلۂ تقریر دورہ ہوا۔ مُتَعَدَّد تقاریر کے سبب لوگ گرویدہ ہوئے اور جب وہاں پر ایک دار العلوم کا قیام عمل میں آیا تو احمد آباد کے عمائد اہل سنت نے باصرار مبارک پور سے بلوا کر دار العلوم شاہ عالم میں مدرس رکھا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا ابراہیم رضا خاں صاحب نَبِیْرَۂ اعلیٰ حضرت اور حضور مفتی اعظم ہند مدظلہ الاقدس نے بھی دار العلوم کے قیام اور ترقی میں بھرپور حصہ لیا۔

مولانا نے اس دار العلوم کی ترقی اور بقا میں بھرپور اور جان توڑ کر کوشش کی

اوراس کوعُرُوج تک پہنچا کردم لیا۔

بعض نا گفتہ بہ حالات اورارکان میں سے بعض کے درپے آزار ہونے کی وجہ سے استعفاد ے کر ۱۷ شعبان ۱۳۷۸ھ کو وہاں سے وطن آ گئے۔اس کے بعد حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے۔واپسی پر دارالعلوم صمدیہ بھیونڈی (مہاراشٹر) کی طلبی پر مارچ ۱۹۶۰ء کو طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدرسہ مذکور میں تشریف لے گئے اور چار برس تک جم کر وہاں تدریسی خدمات کو انجام دیا اور مدرسہ مذکور کی تعمیر میں بھی بھرپور کوشش فرمائی، جس کے طفیل ایک شاندار عمارت آج بھی موجود وشاہد ہے۔

مگر جب وہاں کے بھی بعض حضرات سے تعلقات معمول پر نہ رہے تو خاطر برداشتہ ہو کر ۱۹۶۴ء میں مستعفی ہو گئے۔اس کے بعد فوراً دارالعلوم مسکینیہ دھوراجی گجرات سے طلبی آ گئی اور مولانا حکیم علی محمد صاحب اشرفی کے اور دوسرے لوگوں کے اصرار پر وہاں مع جمعیۃ طلبہ تشریف لے گئے مگر وہاں بھی زیادہ دنوں قیام نہ کر سکے اور بالآخر دار العلوم منظر حق ٹانڈہ فیض آباد (یوپی) میں بعُہدَہ صدر المدرسین وشیخ الحدیث تشریف لے گئے جہاں تقریباً دس سال سے علوم ومعارف کے گوہر لٹا رہے ہیں۔خدا نے تفہیم کی خوب خوب صلاحیت بخشی ہے۔تمام مُتدَاوَل کتابوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں اور پوری مہارت سے درس دیتے ہیں اور طلبہ خوب مانوس ہوتے ہیں۔تدریس کی اس طویل مدت میں طلبہ کی ایک تعداد تیار ہو گئی اور آج ملک وبیرون ملک آپ کے تلامذہ تدریس وتقریر اور مناظرہ وتصنیف کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

افتاء

تدریس کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا کام بھی کرتے رہے ہیں۔تحریر کردہ

فتووں کی نقلیں کم محفوظ ہیں پھر بھی چھ سو سے زیادہ فتاوے منقول ہیں جو کبھی شائع کیے جاسکتے ہیں۔

وعظ

مولیٰ تعالیٰ نے وَعظ ونصیحت کی بھی خوب صلاحیت بخشی ہے۔ملک کے گوشے گوشے میں آپ کے مواعظ حسنہ کی دھوم مچی ہوئی ہے اور بہت سے مواعظ تو مطبوعہ بھی ہیں جن سے عوام ہمیشہ فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔

ذوقِ سخن

زمانہ طالب علمی ہی سے شعروشاعری کا ذوق ہے۔نعت شریف،قومی نظمیں اورغزل میں بھی طبع آزمائی فرمائی ہے۔کوئی مجموعۂ کلام مطبوعہ نہیں ہے۔

تصنیف وتالیف

تدریس، افتاء، وعظ وغیرہ کے ساتھ آپ نے تصنیف وتالیف کا بھی بہت اچھا اورخوب ذوق پایا ہے اوراس کی طرف خاصی توجہ مبذول فرمائی ہے۔مختلف موضوعات پرآپ کی مطبوعہ اردو تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

﴿۱﴾ مَوسِم رحمت (سب سے پہلی تصنیف جو متبرک راتوں اورمبارک ایام کے فضائل پر مشتمل ہے)

﴿۲﴾ معمولات الابرار بمعانی الآثار (تصوف کے بیان میں)

﴿۳﴾ اولیاءرجال الحدیث (اولیائے محدثین کی سوانح)

﴿٤﴾ مشائخ نقشبندیہ (نقشبندی بزرگوں کا سلسلہ وار تذکرہ)

﴿۵﴾ روحانی حکایات (دوحصے)

﴿٦﴾ ایمانی تقریریں ﴿۷﴾ نورانی تقریریں

﴿۸﴾ حقانی تقریریں ﴿۹﴾ عرفانی تقریریں

﴿۱۰﴾ قرآنی تقریریں ﴿۱۱﴾ سیرۃ المصطفیٰ

﴿۱۲﴾ نوادرالحدیث (چالیس حدیثوں کی عمدہ اور مفید شرح)

﴿۱۳﴾ کرامات صحابہ ﴿۱۴﴾ جنتی زیور

﴿۱۵﴾ قیامت کب آئے گی۔

تمام کتابیں متعدد بار طبع ہوکر اہل ذوق کے لیے تسکین کا سامان بن چکی ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ اس وقت بھی آپ کی تمام کتابیں بآسانی مل جاتی ہیں۔کوئی بھی کتاب نایاب اور مشکل الحصول نہیں،خود ہی اپنے اہتمام سے طبع کراتے اور شائع فرماتے ہیں۔کتابت وطباعت کا معیار بھی عام کتابوں سے بہتر ہے جو کہ مقبولیت کی ایک خاص وجہ ہے۔آپ کی تقریر وتصنیف میں مفید لطائف کی خاصی آمیزش ہوتی ہے جو عوامی دلچسپی کا باعث ہے۔

حج وزیارت

۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں حج کعبہ وزیارت مدینہ طیبہ کا عزم کیا اور شاد کام ہوئے اور پوری صحت وتوانائی کے ساتھ تمام ارکان کی ادائیگی سے سرفراز ہوئے۔جدہ میں آپ کے برادر طریقت الحاج عبدالحمید کے مکان پر محفل وعظ کا انعقاد ہوا جس میں آپ نے نہایت ہی رقت انگیز تقریر فرمائی۔

دونوں مقامات متبرکہ میں کثیر علماء ومشائخ سے ملاقات فرمائی اور بہتوں نے آپ کو اپنے سلاسلِ طریقت، دلائل الخیرات، حزب البحر اور اوراد ووظائف نیز حدیث کی سندیں واجازتیں مرحمت فرمائیں۔حضرت شیخ مفتی محمد سعد اللہ المکی نے باوجود

ضعف پیری کے آپ کو خود لکھ کر سندیں عطا کیں اور دیگر تبرکات و آثار سے بھی نوازا مولانا الشیخ السید علوی عباس المکی مفتی المالکیہ ومدرس الحدیث بالحرم شریف سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

حج کو جاتے وقت مولانا موصوف نے حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شیخ مذکور کے نام ایک تعارفی خط لکھوالیا تھا جس سے توجہات عالیہ کو مُنعطِف کرانے میں مدد ملی۔ شیخ کی بارگاہ میں پہنچ کر جب آپ نے خط پیش کیا اور شیخ اس جملہ پر پہنچے هذا تلميذ تلميذ الشيخ مولانا احمد رضا خاں الهندی ۔ تو فرمایا: عبدالمصطفیٰ آپ ہی ہیں؟ آپ نے عرض کیا: ہاں میں ہی ہوں! پھر تو بڑی ہی گرم جوشی سے معانقہ فرمایا اور دعائیں دیں اور کچھ دیر تک سرکار مرشدی حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ کا ذکر کرتے رہے اور سرکار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تذکرہ فرمایا پھر اپنے گھر بلایا۔

جب آپ انکے گھر پہنچے تو وہ آپ کے ساتھ بہت ہی توجہ اور مہربانی سے پیش آئے اور اپنی تمام تصانیف کی ایک ایک جلد عنایت فرما کر صحاح ستہ کی سند حدیث عطا فرمائی۔

مولانا الشیخ محمد بن العربی الجزائری کے نام بھی سرکار مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خط لے کر حاضر ہوئے تو آپ کی مسرت کی انتہا نہ رہی، بڑے تپاک سے ملے اور صحیح بخاری شریف اور موطا کی سند حدیث عطا فرمائی اور حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تذکرہ جمیل ان الفاظ میں فرمایا:

''ہندوستان کا جب کوئی عالم ہم سے ملتا ہے تو ہم اس سے مولانا شیخ احمد رضا خاں ہندی کے بارے میں سوال کرتے ہیں اگر اس نے تعریف کی تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہ سنی ہے اور اگر اس نے مذمت کی تو ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص گمراہ اور بدعتی

ہے ہمارے نزدیک یہی کسوٹی ہے۔''

مولانا الشیخ ضیاء الدین مہاجر مدنی خلیفہ اعلیٰ حضرت سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا اور آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ ہی نے دیگر حضرات سے بھی ملاقات کرائی جن میں شیخ الدلائل حضرت سید یوسف بن محمد المدنی بھی ہیں۔

ان متعدد شیوخ کی اَسناد کی نقلیں حضرت علامہ اعظمی صاحب نے اپنی کتاب ''معمولات الابرار'' میں نقل فرمائی ہیں جو کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ [1]

محمد عبد المبین نعمانی مصباحی

سنت کی بہاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ تبلیغ قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **دعوتِ اسلامی** کے مہکے مہکے مدنی ماحول میں بکثرت سنتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں کہ ہر جمعرات کو **فیضانِ مدینہ** محلّہ سودا گران پرانی سبزی منڈی میں مغرب کی نماز کے بعد ہونے والے **سنتوں بھرے اجتماع** میں ساری رات گزارنے کی **مدنی التجاء** ہے۔ **عاشقان رسول** کے **مدنی قافلوں** میں **سنتوں کی تربیت** کے لئے سفر اور روزانہ **فکرِ مدینہ** کے ذریعے **مدنی انعامات** کا کارڈ پُر کر کے ہر **مدنی ماہ** کے ابتدائی دس دن کے اندر اندر اپنے یہاں کے ذمہ دار کو جمع کروانے کا معمول بنا لیجئے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اس کی برکت سے **پابندِ سنت** بننے، گناہوں سے نفرت کرنے اور **ایمان کی حفاظت** کے لئے کُڑھنے کا ذہن بنے گا ہر اسلامی بھائی اپنا یہ **مدنی ذہن** بنائے کہ **''مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔''** اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ

اپنی اصلاح کی کوشش کے لئے **مدنی انعامات** پر عمل اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کیلئے **مدنی قافلوں** میں سفر کرنا ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ

---

[1]...... مذکورہ بالا مضمون میں نے ''معمولات الابرار'' کے حصہ سوانح اور ذاتی معلومات کی بنیاد پر قلم بند کیا ہے۔ ۱۲

احادیثِ دل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَللّٰھُمَّ لَكَ الۡحَمۡدُ سَرۡمَدًا صَلِّ عَلٰى حَبِيۡبِكَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَبَدًا

نہ شبم ، نہ شب پرستم ، کہ حدیثِ خواب گویم چوں غلام آفتابم ہمہ از آفتاب گویم

آفتابِ رسالت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک بہت ہی ''بشارت آمیز'' حدیث ہے کہ مَنۡ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِيۡ اَرۡبَعِيۡنَ حَدِيۡثًا فِيۡ اَمۡرِ دِيۡنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيۡهًا وَّ كُنۡتُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ شَافِعًا وَّ شَهِيۡدًا (مشکوۃ، کتاب العلم، ص۳۶)

ترجمہ: جو شخص دینی معاملات کے متعلق چالیس حدیثیں یاد کر کے میری امت تک پہنچا دے گا اللہ تعالیٰ اس کو (قیامت کے دن) اس شان کے ساتھ اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے لئے گواہی دوں گا۔

﴿۱﴾ جب سے اس حدیث کے مُطالعہ سے نظر سرفراز ہوئی برابر دل میں یہ تڑپ اور قلب کی گہرائیوں میں یہ جذبہ موجزن رہا کہ کیوں نہ میں بھی دوسرے مُحَدِّثینِ کرام کی طرح چالیس حدیثوں کا ایک مجموعہ لکھ دوں اور امتِ رسول کی بارگاہ میں پیش کر کے اس ''بشارتِ عظمیٰ'' کے امیدواروں کی مقدس فہرست میں اپنا نام بھی درج کرالوں شاید کہ میرا رب کریم اپنے فضل و کرم سے مجھ بے علم و بے عمل اور گناہگار انسان کو بھی اس مایہ ناز سعادت کے اعزاز سے سرفراز فرما دے!

چنانچہ اسی تمنا میں یہ چالیس حدیثوں کا ایک گلدستہ ترجمہ اور شرح کے ساتھ لکھ کر ''نوادِرُ الحدیث'' کے نام سے امتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں نذر کرتا ہوں اور خداوند رحمٰن و رحیم کی رحمت اور اس کے فضل عظیم سے امیدوار ہوں کہ وہ

میری اس حقیر خدمت کو قبول فرما کر قیامت کے دن ''فُقہائے کِرام'' کی صفِ نعال میں مجھ کو جگہ عطا فرمادے اور رسولِ رحمت کی شفاعت کی کملی میں میرے جرموں کی پردہ پوشی فرمادے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ وَّهُوَ حَسْبِىْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ؎

وہ اگر چاہے تو اک قطرہ کو دریا کردے ۔۔۔ اسکی قدرت ہے کہ اک ذرے کو صحرا کردے
اپنے الطافِ کریمانہ سے وہ چاہے اگر ۔۔۔ ایک ''کن'' کہہ کے وہ کونین کو پیدا کردے

﴿۲﴾ میں نے یہ کتاب خاص طور پر مبتدی طلبہ، نئے مقررین اور اردو خواں عوام کے مطالعہ کے لئے تحریر کی ہے۔ اس کتاب میں قصداً میں نے حدیثوں کی سندوں پر محدثانہ کلام نیز مسائل پر فقیہانہ بحثوں اور صَرف و نحو یا علمِ معانی و بیان کے علمی نکات کو بیان کرنے سے گریز کیا ہے اور شوکتِ الفاظ، جدت تراکیب، عبارت آرائی وغیرہ کے تکلفات سے بھی عمداً اجتناب کیا ہے اور نہایت ہی سادہ اور سَلیس زبان اور بالکل ہی عام فہم عبارت میں اپنے مفہوم کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا ناقدینِ فن اور علمی نِکات کے مُتلاشی احباب سے دست بستہ مُلتجی ہوں کہ وہ اس مجموعہ میں مذکورہ بالا محَاسن کو نہ تلاش کریں اور یہ سمجھ کر اس مجموعہ کو شرفِ قبول سے سرفراز فرمائیں کہ ؎

گل آورد سعدی سوئے بوستاں ۔۔۔ بشوخی ، چو فلفل بہ ہندوستاں

﴿۳﴾ میں نے بالقصد اس کتاب میں نہ باب اور فصل کی قید رکھی نہ مضامین کی ترتیب کا کوئی خاص اہتمام کیا بلکہ مختلف مضامین کی حدیثوں کو یکے بعد دیگرے کسی خاص ترتیب کے بغیر تحریر کرتا چلا گیا کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ ایک ہی قسم کے مضامین کو لگاتار پڑھتے رہنے سے عموماً مطالعہ کرنے والے اکتا جاتے ہیں اور تازہ بہ تازہ نَوع بَنوع مختلف قسم کے نئے نئے مَضامین کو عجیب عجیب عُنوانوں کے ساتھ پڑھنے سے

طبیعت کی تازگی اور ذوق کا نشاط برابر بڑھتا رہتا ہے۔ خدا کرے کہ میری یہ غیر معروف اور بے ڈھنگی رَوِش ناظرینِ کرام کو بھی پسند آجائے۔

﴿٤﴾ میں اُن تمام ناظرین کرام کا انتہائی مَمْنون اور شکر گزار ہوں گا جو اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اخلاصِ قلب کے ساتھ میرے حق میں یہ دعا فرمائیں گے کہ خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے میری اس حقیر قلمی خدمت کو دونوں جہانوں میں مقبولیت کی کرامتوں سے سرفراز فرمائے اور میرے لئے اور میرے والدین کے لئے اس کو توشۂ آخرت اور سامانِ مغفرت بنائے ۔

نذرِ من در دوجہاں باعزت و تمکین باد
ایں دعا از من و از جملہ جہاں ''آمین'' باد

﴿٥﴾ لکھ چکا وعظ بھی حکایت بھی — تھیں یہ میرے نصیب کی باتیں
اب مدینہ کی یاد آئی ہے — لکھ رہا ہوں حبیب کی باتیں

گلشن قدس کی بہاروں میں — باغِ جنت کے پھول لایا ہوں
عاشقو! بھرلو دامنِ دل کو — میں ''حدیثِ رسول'' لایا ہوں

عمر گزری ہے لکھنے پڑھنے میں — سب کتابوں سے ہو چکا دل سیر
اب لگن ہے حدیث و قرآں سے — اس کو کہتے ہیں ''خاتمہ بالخیر''

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ
۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ
محلّہ کریم الدین پور، پوسٹ گھوسی ضلع اعظم گڑھ

اِنتساب
و
ایصالِ ثواب

میں اپنی اس کتاب کے ذریعے ان تمام علمائے دین اور فُقہاء و مُحدثین کی ارواحِ طیبہ کو ایصال ثواب کرتا ہوں جن کے نوکِ قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون کا درجہ رکھتی ہے۔

ناظرین کرام بھی فاتحہ پڑھ کر اس کتاب کا مطالعہ کریں ان شآء اللہ تعالیٰ خیر و برکت پائیں گے۔

خاکپائے علمائے کرام
عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

حدیث کی چند اصطلاحیں

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ، تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ کیا یا کسی کو کچھ کہتے سنا یا کچھ کرتے دیکھا اور اس پر منع وانکار نہیں فرمایا بلکہ خاموش رہے تو ان سب چیزوں کو محدثین کی اصطلاح میں ''حدیث'' کہا جاتا ہے۔

اس اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہو گئیں:

﴿۱﴾ حدیثِ مَرْفُوع ﴿۲﴾ حدیثِ مَوْقُوف ﴿۳﴾ حدیثِ مَقْطوع

حدیثِ مَرْفُوع: وہ حدیث جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جائے یعنی اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا فرمایا، یا حضور نے ایسا کیا، یا حضور کے سامنے لوگوں نے ایسا کہا یا ایسا کیا اس کو ''حدیثِ مرفوع'' کہتے ہیں۔

حدیث مَوْقُوف: وہ حدیث جو صحابی تک پہنچے یعنی اس حدیث میں یہ مذکور ہو کہ مثلاً ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا، یا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا، یا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا دیکھا یا سنا تو اس کو ''حدیث موقوف'' کہتے ہیں۔

حدیث مَقْطوع: وہ حدیث جو تابعی تک پہنچے یعنی اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ مثلاً سعید بن جُبَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کہا یا ایسا کیا، یا عِکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو یہ کرتے دیکھا یا یہ کہتے سنا تو اس کو ''حدیثِ مَقْطوع'' کہتے ہیں۔

رِوایت: حدیث نقل کرنا، حدیث بیان کرنا۔

راوی: حدیث نقل کرنے والا، حدیث کو بیان کرنے والا۔

سندِ حدیث: حدیث کو نقل کرنے والے راویوں کا سلسلہ جیسے عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

متنِ حدیث: جہاں سند ختم ہوجائے اسکے بعد کے الفاظ کو ''متنِ حدیث'' کہا جاتا ہے۔

صَحابی: جس کو بحالتِ ایمان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی اور ایمان ہی پر اس کا خاتمہ ہوا۔

تابعی: جس نے بحالتِ ایمان کسی صحابی سے ملاقات کی اور ایمان ہی پر اس کا خاتمہ ہوا۔

اس اعتبار سے کہ اصل حدیث راوی تک کس طرح پہنچی حدیث کی چار قسمیں ہیں:

﴿۱﴾ حدیثِ متواتر ﴿۲﴾ حدیثِ مشہور ﴿۳﴾ حدیثِ عزیز ﴿٤﴾ حدیثِ غریب

حدیث متواتر: وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے ہر زمانے میں اس قدر کثیر لوگ ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہوجانا عادتاً محال ہو۔

حدیثِ مشہور: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر دور میں دو سے زیادہ رہے ہوں اس کو ''حدیث مستفیض'' بھی کہتے ہیں۔

حدیثِ عزیز: وہ حدیث ہے جس کو ہر دور میں دو راوی روایت کرتے رہے ہوں اور پوری سند میں کہیں بھی دو راوی سے کم نہ ہوں۔

حدیثِ غریب: وہ حدیث ہے جس کے سلسلۂ سند میں کہیں صرف ایک ہی راوی رہ گیا ہو۔

وَضَّاعُ الحدیث: جھوٹی حدیثیں گھڑ لینے والا، ایسا آدمی سخت گناہگار اور جہنمی ہے۔

حدیث مَوضُوع: جھوٹے راوی کی بیان کی ہوئی حدیث جس کا حدیثِ رسول ہونا ثابت نہ ہو یہ ''حدیث موضوع'' ہے جو قطعاً غیر معتبر ہے۔

محدثین: علومِ حدیث میں مشغول ہونے والے حضرات ''محدثین'' کہلاتے ہیں۔

مُؤرخین: گزرے ہوئے زمانے کی تَوارِیخ اور حالات بیان کرنے والے ''مؤرخین'' یا ''اخباری'' کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

صحاحِ ستّہ:

﴿۱﴾ بخاری شریف ﴿۲﴾ مسلم شریف

﴿۳﴾ ترمذی شریف ﴿٤﴾ ابوداوٗد شریف

﴿۵﴾ نسائی شریف ﴿٦﴾ ابن ماجہ شریف

حدیث کی یہ چھ مشہور کتابیں ''صحاحِ ستّہ'' کہلاتی ہیں۔

دین میں حدیث کا مقام

زمانۂ نبوت سے آج تک تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ رہا ہے کہ احکام شریعت کی دلیلوں میں سے سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ خدا کی مُقدس کتاب ''قرآن مجید'' ہے اور چونکہ قرآن ہی کی تصریحات وہدایات کے بموجب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اِتبّاع واِطاعت بھی ہر مسلمان کے لئے لازمُ الایمان اور واجبُ العمل ہے کیونکہ بغیر اس کے قرآن مجید کی آیتوں کے صحیح مفہوم اور حقیقی مراد کو سمجھ لینا غیر ممکن اور محال ہے اس لئے قرآن مجید کے بعد احکام شریعت کی دلیل بننے میں حدیث ہی کا درجہ ہے۔اس کے بعد اجماعِ امّت اور قیاسِ مجتہد کا درجہ ہے اس لئے یہ عقیدہ رکھنا ضروریاتِ دین میں سے ہے کہ قرآن مجید وحدیث دونوں ہی دین اسلام کی مرکزی بنیاد اور احکامِ شرع کی مضبوط دلیلیں ہیں۔

اس دَور کے بعض مُلحدین جو اپنے آپ کو''اہل قرآن'' کہتے ہیں اور حدیثوں کے دلیلِ شرعی ہونے کا انکار کرتے ہیں قرآن مجید نے صاف اور صریح لفظوں میں ان ظالموں کے اس کافرانہ نظریہ کا رد فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے کہ

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ج وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ج (حشر)(1)

یعنی رسول جو کچھ تم کو (حکم) دیں اس کو لو اور جس چیز سے تم کو منع کریں اس سے باز رہو۔

مسلمانو! دیکھ لو! قرآن کا یہ فرمان صاف صاف اعلان کر رہا ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اَوامر ونَواہی جو حدیثوں کی صورت میں ہیں یقیناً بلاشبہ واجب العمل اور احکامِ شرع کی حُجت اور مضبوط دلیلیں ہیں۔

منصبِ رسالت

حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ حدیثوں کے دلیل شرعی ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ درحقیقت مقامِ نبوت ومنصبِ رسالت ہی کے منکر ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک رسول کی حیثیت محض ایک ''قاصد اور ایلچی'' کی سی ہے حالانکہ قرآن مجید نے صاف و صریح لفظوں میں اس مُلحدانہ نظریہ اور کافرانہ بکواس کی جڑ ہی کاٹ ڈالی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (نساء)(2)

یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

کہیں ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (نساء)(3)

یعنی ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا اسی لئے بھیجا تاکہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کریں

---

1 ...... ترجمۂ کنزالایمان: جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ (پ۲۸، الحشر:۷)

2 ...... ترجمۂ کنزالایمان: جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (پ۵، النسآء:۸۰)

3 ...... ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے۔ (پ۵، النسآء:۶۴)

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے کہ

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (اعراف)(1)

یعنی رسول لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے منع کرتے ہیں اور لوگوں کے لیے ستھری چیزوں کو حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزوں کو حرام فرماتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات اور اس قسم کی دوسری بہت سی آیتیں اعلان کر رہی ہیں کہ رسول ایک ''قاصد اور ایلچی'' کی پوزیشن میں نہیں ہیں بلکہ رسول کا منصب رسالت اس قدر بلند و بالا ہے کہ رسول مقتدیٰ ومُطاع ہیں، رسول آمر وناہی ہیں، رسول حلال کرنے والے، حرام کرنے والے ہیں، رسول حاکم وحکم اور معلم وشارع ہیں۔

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی کہیں قاصد اور ایلچی کی بھلا یہ شان ہوا کرتی ہے!

منکرینِ حدیث کی نفسانیت

پھر یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ منکرینِ حدیث نے کسی دینی جذبہ کے ماتحت قرآن پر عمل اور حدیثوں کے انکار کا اعلان نہیں کیا ہے بلکہ اس فِتنہ وفَساد سے ان کی غرضِ فاسد یہ ہے کہ حدیثوں کا انکار کر کے قرآن کے مَعانی ومَطالب بیان کرنے میں وہ تشریحاتِ نبوت کی مقدس حد بندیوں سے آزاد ہو جائیں اور بالکل آوارہ ہو کر قرآن کے مفہوم ومراد کو اپنی نفسانی خواہشوں کے مطابق ڈھال سکیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک لطیفہ بہت ہی دلچسپ بھی ہے اور نہایت ہی عبرت خیز ونصیحت آموز بھی۔

1......ترجمۂ کنزالایمان: وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔ (پ۹،الاعراف:۱۵۷)

لطیفہ: ایک منکرِ حدیث خواہ مخواہ مجھ سے الجھ گیا اور کہنے لگا کہ قرآن میں ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' کے معنی مولویوں نے جو ''نماز پڑھنا'' بتایا ہے وہ غلط ہے کیونکہ لغت میں ''صلٰوۃ'' کے معنی تو دعا مانگنے کے ہیں۔ لہٰذا اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا یہ مطلب ہوا کہ پابندی کے ساتھ دعا مانگتے رہو۔

میں نے اس سے کہا کہ الفاظِ قرآن کے معانی لغت سے بیان کیے جائیں گے یا رسول علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تشریحات کے مطابق قرآن کا ترجمہ کیا جائے گا تو اس نے نہایت بے باکی کے ساتھ برجستہ کہا کہ جناب! قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے لہٰذا عربی کی لغات ہی سے قرآن کا ترجمہ کیا جائے گا رسول علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تشریحات کا پابند ہونا ہمارے لئے کوئی ضروری نہیں ہے۔

یہ سن کر میرا خون کھول گیا مگر میں نے ضبط کیا لیکن جل بھُن کر میں نے اس سے کہا کہ جناب! اگر لغت ہی سے قرآن کا ترجمہ کرنا ہے تو لغت میں ''صلٰوۃ'' کے بہت معنی لکھے ہوئے ہیں اور ایک بہت ہی دلچسپ مگر پھوہڑ معنی ''تحریک الصلوین'' (سرین ہلانا) بھی ہے (تفسیر بیضاوی) تو پھر ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' کا یہ ترجمہ کیوں نہ کیجئے کہ ''پابندی سے سُرین ہلاتے رہو۔'' چلو چھٹی ہوئی نہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہ دعا مانگنے کی حاجت بس ہر دم سرین ہلاتے رہو اور قرآن پر عمل کرتے رہو۔

میری یہ غضب ناک مگر حقیقت افروز تقریر سن کر وہ اس قدر مَرعُوب ہوا اور جھینپ گیا کہ پھر نہ وہ مجھ سے آنکھ ملا سکا نہ کچھ بول سکا بلکہ دُم دبا کر چپکے سے بھاگ نکلا۔

بہر حال حقیقت تو یہ ہے کہ دین میں احادیثِ رسول کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ بغیر احادیث کے تو قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا بھی نہیں معلوم ہو سکتا۔ اگر رسول اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ نہ فرمادیتے کہ ''اَلْحَمْد'' سے ''وَالنَّاس'' تک کا پورا کلام قرآن مجید اور کلام الٰہی ہے تو قیامت تک کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ کون ''کلام اللہ'' اور کون ''کلامِ رسول'' ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان کو اس حقیقت پر پورا پورا ایمان رکھنا چاہیے کہ مَسائلِ شریعت کی دلیلوں میں قرآن شریف کے بعد حدیث شریف ہی کا درجہ ہے اور بغیر احادیثِ رسول پر ایمان لائے ہوئے نہ کوئی قرآن کے مَعانی و مَطالب کو کماحقہٗ سمجھ سکتا ہے نہ دین اسلام پر عمل کرسکتا ہے۔

اس لئے اس زمانے میں جو لوگ حدیثوں کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کیے ہوئے ہیں مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ لوگ گمراہ، بدمذہب بلکہ بعض تو مُلحد اور مُرتد ہوچکے ہیں لہٰذا ان لوگوں کی کوئی تحریر پڑھنی اور ان لوگوں کے وَعظوں میں شرکت حرام و ناجائز ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کی صحبت کو سَمِ قاتل اور زہرِ ہَلاہَل سمجھ کر ان سے اجتناب و پرہیز کو لازم پکڑیں یہی حکم تمام گستاخِ رسول فرقوں اور ان کی کتب کے متعلق ہے خواہ یہ حضرات کتنی ہی مکّاری سے اپنے اوپر حنفی، شافعی کا لیبل چسپاں کریں۔

دعوتِ اسلامی کے سنتوں کی تربیت کے **مدنی قافلوں** میں سفر اور روزانہ **فکرِ مدینہ** کے ذریعہ **مدنی انعامات** کا کارڈ پُر کرکے ہر **مدنی ماہ** کے ابتدائی دس دن کے اندر اندر اپنے یہاں کے ذمہ دار کو جمع کروانے کا معمول بنا لیجئے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اس کی برکت سے پابندِ سنت بننے، گناہوں سے نفرت اور ایمان کی حفاظت کیلئے کُڑھنے کا ذہن بنے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نیت کا پھل

حدیث:۱

عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِامْرَاَۃٍ یَّتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ. (1)(بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمام اعمال کا ثواب نیتوں سے ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کے واسطے ہو تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اس حدیث کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرنے والے حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ کی کُنیت ابوحفص اور

---

(1)......صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم، الحدیث:۱، ج۱، ص۵

وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ،باب قولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم:انما الاعمال...الخ، الحدیث:۱۹۰۷، ص۱۰۵۶

لقب ''فاروق'' ہے۔آپ قدیمُ الاسلام ہیں۔آپ چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں یا انتالیس مردوں اور تیرہ عورتوں یا پینتالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے مسلمان ہونے کے بعد اسلام لائے۔حضرت جِبرائیل علیہ السلام نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوکر یہ خوش خبری سنائی کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم آسمان والے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے پر خوشی منا رہے ہیں۔خلیفہ اوّل امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنا ولی عہد مُنتَخب فرمایا۔چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو آپ امیر المؤمنین منتخب ہوئے اور دس برس چند ماہ مسندِ خلافت پر رونق افروز رہے اور فارس وروم کی سلطنتوں سے جہاد فرما کر ان ممالک کو خلافتِ اسلامیہ کے زیرِ نگین فرمایا۔پھر اسلام اور مسلمانوں کی سر بلندی اور ترقی کے بے شمار سامان مہیا فرما کر ۲۸ ذوالحجہ ۲۳ھ بروز پنج شَنبہ بمقام مدینہ منورہ تریسٹھ برس کی عمر میں شہادت سے سرفراز ہوئے اور روضہ منورہ میں مدفون ہوئے۔پانچ سو انتالیس حدیثیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں آپ کے فضائل ومَناقِب بہت زیادہ ہیں جن کا مُفصَّل بیان ہماری کتاب ''حقانی تقریریں'' میں پڑھیئے۔

اس حدیث کی خُصوصیات: اس حدیث کی چند خصوصیات قابل ذکر ہیں:

﴿۱﴾ یہ بخاری شریف کی سب سے پہلی حدیث ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو متعدد سندوں اور مختلف لفظوں کے ساتھ اپنی اس کتاب میں دوسرے چھ مقامات پر بھی ذکر فرمایا ہے اور وہ چھ مقامات یہ ہیں:

﴿۱﴾ کتابُ الایمان ﴿۲﴾ کتابُ العِتق ﴿۳﴾ بابُ الھجرۃ ﴿٤﴾ کتابُ النِکاح ﴿۵﴾ کتابُ الاِیمان ﴿٦﴾ کتابُ الحِیَل

﴿۲﴾ امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام احمد، امام دارقطنی، امام ابن حبان، امام بیہقی جیسے مُسلَّم الثُّبوت اور بلند پایہ مُحدِّثین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اس حدیث کو پوری شان وشوکت کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

﴿۳﴾ محدثین نے اس حدیث کو ان بنیادی حدیثوں میں سے شمار کیا ہے جن پر دینِ اسلام کا دارومدار ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے بارے میں ابوداود محدث کا قول ہے کہ لاکھوں احادیث کے خزانوں میں سے دین پر عمل کرنے کے لئے صرف چار حدیثیں کافی ہیں اور ان چار میں سے ایک اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے فرمایا کہ اس حدیث میں علمِ دین کا ایک تہائی حصہ ہے۔ (1) کیونکہ دین کے اعمال تین ہی قسم کے ہیں: قَلْب کے اعمال، زبان کے اعمال، باقی اعضاء کے اعمال اور اس حدیث میں اعمالِ قلب یعنی ''نیت'' کا ذکر ہے۔ (قسطلانی، ج۱، ص۱۶۴)

مَخْدوم شیخ احمد کمشخانوی قدس سرہٗ نے جامع الاصول کے مُتِمَّات میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند جناب ''حماد'' کو نصیحت فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمایا کہ اے نورِ نظر! میں نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چن کر ایسی پانچ حدیثوں کو منتخب کیا ہے کہ اگر تم نے ان کو یاد کر کے ان پر پورے اعتماد کے ساتھ عمل کیا تو تم دونوں جہان کی سعادتوں سے سرفراز ہو جاؤ گے اور وہ پانچ حدیثیں یہ ہیں:

اول: حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ یعنی تمام اعمال کے ثواب کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

دوم: آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے یہ ہے کہ وہ تمام لایعنی اور بیکار چیزوں کو چھوڑ دے۔

---

1 ......ارشاد الساری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی...الخ، تحت الحدیث ۱، ج۱، ص۹۵

سِوُم: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومنِ کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی (مومن) کے لئے اسی چیز کو پسند نہ کرے جس کو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

چہارم: حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مُشتَبَہ چیزیں بھی ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے تو جو شخص ان مُشتَبَہ چیزوں سے بھی پرہیز کرتا رہا اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا اور جو شخص ان مُشتَبَہ چیزوں میں پڑ گیا وہ کبھی نہ کبھی حرام میں بھی واقع ہوجائے گا جیسے وہ چرواہا جو حمیٰ (محفوظ شاہی چراگاہ) کے اردگرد جانور کو چراتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس کا جانور کبھی نہ کبھی حمیٰ میں بھی داخل ہوجائے۔ خبر دار! ہر بادشاہ کے لئے حمیٰ ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کی حمیٰ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں سن لو اور یقین رکھو کہ بدن میں گوشت کا ایسا ٹکڑا ہے کہ جب وہ درست ہوجائے گا تو پورا بدن درست ہوجائے گا اور جب وہ فاسد ہوجائے گا تو پورا بدن فاسد ہوجائے گا۔ آگاہ ہوجاؤ کہ وہ ''دل'' ہے۔

پنجم: کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان سلامت رہیں۔ (1) (بشیر القاری، ص ۶۵)

﴿۴﴾ بعض محدثین نے اس حدیث کو ''حدیثِ متواتر'' کہا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے حق یہ ہے کہ یہ حدیث سند کے آخری حصہ کے اعتبار سے ''حدیثِ مشہور'' ہے اور سند کے ابتدائی حصہ کے اعتبار سے ''غریب'' ہے۔ (2) (قسطلانی، ج۱، ص۱۶۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۵﴾ اس حدیث کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا

---

(1)......بشیر القاری، ج ۱، ص ۶۵، ماخوذاً

(2)......ارشاد الساری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی...الخ، تحت الحدیث: ۱، ج ۱، ص ۹۵۔۹۶ ملتقطاً

چنانچہ اس کے راوی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مِنبر پر دورانِ خطبہ میں اس حدیث کو بیان فرمایا۔

﴿٦﴾ عام طور پر محدثین کرام اس حدیث کو اپنی اپنی کتابوں کے شروع میں لکھتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کو اس بات پر مُتَنَبِّہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے عملِ تَصنیف وتالیف میں اپنی نیتوں کو درست کرلیں، کیوں! اس لئے کہ ؎

ہو اگر نیت بری اچھے عمل بیکار ہیں — جاگتا ہے چور بھی مثلِ نگہباں رات بھر

توضیح الفاظ: حدیث مذکور میں تین الفاظ قابلِ وضاحت ہیں لہٰذا ان کی تشریح حسبِ ذیل ہے:

نیت: دل کے قصد وارادہ کو نیت کہتے ہیں اور اس حدیث میں نیت سے مراد خداوند تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے دربار میں تقرب حاصل کرنے کا قصد وارادہ ہے۔

ہجرت: لغت میں ''ہجرت'' کے معنی ہیں ''کسی چیز کو چھوڑ دینا۔'' چنانچہ بعض حدیثوں میں ہجرت کا لفظ ''چھوڑ دینے'' کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ (1) یعنی کامل درجے کا ''مہاجر'' وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی تمام چیزوں کو چھوڑ دے لیکن شریعت کی اصطلاح میں ''ہجرت'' یہ ہے کہ مسلمان خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کے پیش نظر اپنے دین وایمان کی سلامتی کے لئے شہر یا ملک کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر یا ملک میں چلا جائے جہاں اس کا دین وایمان محفوظ رہ سکے۔

ہجرت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ دارُالکُفر سے دارُالاسلام ہی کی طرف

---

(1)......سنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب الهجرة هل انقطعت؟، الحديث: ٢٤٨١، ج٣، ص٧

ہجرت ہو کیونکہ زمانۂ نبوت میں دو قسم کی ہجرت ہوئی، ایک دارُ الخوف سے دارُ الامان کی طرف جیسے کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی اس وقت میں مکہ اور حبشہ دونوں ہی دارُ الکُفر تھے مگر مکہ میں مسلمانوں کو جان و ایمان کا خوف و خطر تھا اور حبشہ میں ان کے لئے جان و ایمان کے بارے میں امن و امان تھا۔ دوسری ہجرت دارُ الکُفر سے دارُ الاسلام کی طرف جیسے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ طیبہ میں ساکن و متمکن ہو جانے کے بعد مکہ کے مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اس وقت مکہ دارُ الکُفر تھا اور مدینہ دارُ الاسلام بن چکا تھا۔

بہر کیف مختلف شارحینِ حدیث کی تقریروں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دارالکفر سے دارالاسلام ہی کی طرف جانے میں ہجرت منحصر نہیں ہے بلکہ ایک اسلامی ملک میں بھی اگر حُکّام و عمّالِ حکومت کے عقائد و نظریات اس قدر بگڑ جائیں کہ ایک صحیحُ الْعَقِیدہ مسلمان کی اسلامی زندگی وہاں تنگ ہو جائے اور دین پر قائم رہنا مشکل ہو جائے تو اپنے دین و ایمان کی حفاظت اور سلامتی کے لئے وہاں سے کسی بھی ایسے ملک میں چلا جانا جہاں اسلامی زندگی بسر کرنے میں کوئی مُزاحَمت نہ ہو یہ بھی شرعی ہجرت ہی ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی دارالکفر میں مسلمان کو اپنے دین و ایمان پر قائم رہنا مشکل نظر آتا ہو اور اس کے قریب ہی میں کوئی ایسا دارالکفر ہو جو اتنا ظالم و جابر نہ ہو بلکہ وہ کسی مسلمان کے اسلامی زندگی بسر کرنے میں کوئی مُزاحَمت ہی نہ کرتا ہو تو اس صورت میں اس دارُ الکُفر سے دوسرے دارُ الکُفر میں چلے جانا یہ بھی شرعی ہجرت ہی کہلائے گی اور ان سب صورتوں میں بشرطِ اخلاصِ نیت اِنْ شاءَ اللہ تعالیٰ ہجرت ہی کا ثواب ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دنیا: یہ اسم تفضیل ''اَدنیٰ'' کا مؤنث ہے جس کے معنی ہیں ''زیادہ قریب ہونے والی''

اہل لغت کا قول ہے کہ اس عالَم کو ''دنیا'' اس لئے کہتے ہیں کہ یہ زوال کے قریب ہے یا یوں سمجھ لیجئے کہ چونکہ یہ بہ نسبت آخرت کے ہم لوگوں سے زیادہ قریب ہے اس لئے اس کو ''دنیا'' یعنی ''زیادہ قریب ہونے والی'' کہنے لگے۔

علمائے متکلمین ہر اُس مخلوق کو ''دنیا'' کہتے ہیں جو آخرت سے پہلے وجود میں آئی اور صوفیائے کرام کے نزدیک ہر وہ چیز دنیا ہے جو انسان کو خدا سے غافل کر دے۔ چنانچہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''صوفیہ'' کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش ونقرہ وفرزند و زن

یعنی خدا سے غافل ہو جانے کا نام ''دنیا'' ہے لباس، چاندی اور بیوی بچے اگر انسان کو خدا سے غافل نہ کریں تو یہ چیزیں دنیا میں شمار نہیں کی جائیں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ارشادِ حدیث کا باعث: اس حدیث کے ارشاد کا سبب کیا ہے اور کب کس موقع پر اور کیوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سنائی اس کا واقعہ بہت ہی عجیب اور نہایت ہی عبرت انگیز ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت جس کا نام ''قیلہ'' تھا مگر عام طور پر لوگ اس کو ''اُمِّ قیس'' کہہ کر پکارتے تھے۔ اس عورت کو ایک شخص نے نکاح کا پیغام دیا، اُم قیس نے اس کو یہ جواب دیا کہ جب تک تو مکہ سے مدینہ ہجرت نہیں کرے گا میں تجھ سے نکاح نہیں کروں گی۔ آخر اس شخص نے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہ بات مشہور ہوگئی چنانچہ صحابۂ کرام اس شخص کو ''مہاجر ام قیس'' کہنے لگے اور یہ شخص اس لقب سے اس قدر مشہور ہو گیا کہ اس کا

اصلی نام کسی کو یادنہیں رہا، چنانچہ اس شخص کا اصلی نام کیا تھا کسی کتاب میں مجھے نہیں ملا۔(1)

(قسطلانی، ج۱،ص۱۶۳)

جب اس واقعہ کی خبر رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے اس شخص کو تنبیہ و ہدایت کیلئے دورانِ خطبہ منبر پر یہ ارشاد فرمایا کہ ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' یعنی اعمال کا ثواب تو نیتوں پر موقوف ہے لہٰذا جو شخص جس نیت سے ہجرت کرتا ہے وہی اس کو ملے گا۔

شرحِ حدیث: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں برے اعمال اور اچھے اعمال، برا عمل تو خواہ بری نیت سے کیا جائے خواہ اچھی نیت سے اس پر ثواب ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اس لئے کہ برا عمل تو بہرصورت برا ہی ہے اور باعث عذاب ہے۔ رہ گیا اچھا عمل تو اس کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے کہ تمام اچھے اعمال خواہ دل کے اعمال ہوں یا دوسرے اعضاء کے، اَوامر پر عمل ہو یا نواہی سے بچنا ہو، عبادت کے اعمال ہوں یا عادات کے، ان سب اعمال پر ثواب اسی وقت ملے گا جب ان اعمال کو تَقَرُّب الی اللہ اور رضائے الٰہی طلب کرنے کی نیت سے کیا جائے اور اگر معاذ اللہ کوئی عمل خواہ وہ کتنا ہی اچھا سے اچھا عمل کیوں نہ ہو خدا کی خوشنودی کی نیت سے نہ کیا جائے بلکہ ریا کاری یا شُہرت یا لذتِ نفس یا اور کسی غرضِ فاسد کی نیت سے کیا جائے تو اگرچہ وہ عمل فرض و واجب یا سنت و مستحب ہی کیوں نہ ہو مگر ہرگز ہرگز اس پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا بلکہ الٹا نقصان ایمان اور عذابِ جان کا باعث اور دونوں جہاں میں خُسران و حرمان کا سامان بن جائے گا۔

(1)......ارشاد الساری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی...الخ، تحت الحدیث:۱، ج۱، ص۹۴ ملخصاً

مثلاً کون نہیں جانتا کہ ''نماز'' ایک ایسا بہترین اور اچھا عمل خیر ہے کہ اَہَمُّ الفرائض اور افضل العبادات ہے۔ اگر خدا کی رِضا وخوشنودی اور اس کے قربِ رحمت کو طلب کرنے اور ادائے فرض خداوندی کی نیت سے نماز پڑھی جائے تو سبحان اللہ! اس کے اجر وثواب کا کیا کہنا نور ہی نور بلکہ نور علی نور ہے۔ لیکن یہی نماز اگر کوئی اس نیت سے پڑھے کہ لوگ مجھے نمازی سمجھ کر میری خوب خوب عزت اور آؤ بھگت کریں گے اور میری بزرگی کا خوب خوب شہرہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ یہ نماز جو افضل العبادات ہے اس بری نیت سے بدترین معصیت اور گناہ کا باعث بن گئی اور ایسے نمازی کو لعنتوں کی پھٹکار اور عذابِ نار کے سوا قَہّار وجَبّار کے دربار سے اور کیا ملے گا

غرض ایک ہی اچھا عمل اچھی نیت سے لائق ثواب اور بری نیت سے باعثِ عذاب بن جاتا ہے۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام اعمال کے ثواب کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو اس کی نیت ہی پر ثواب ملتا ہے۔

پھر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس قاعدہ کلیہ کو بیان فرمانے کے بعد اس کی ایک خاص مثال کے طور پر یہ ارشاد فرمایا کہ ''جو اللہ اور رسول کی رِضا جوئی کی نیت سے ہجرت کرتا ہے تو اس کی ہجرت اللہ ورسول کے دربار میں مقبول ہوتی ہے۔'' اور خداوندِ قدُّوس اس کو اپنے فضلِ لاجواب سے بے حساب اجر وثواب عطا فرماتا ہے اور جو شخص کسی دنیاوی مَنْفَعَت اٹھانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی نیت سے ہجرت کرتا ہے تو اس کی ہجرت کا حاصل اور ترک وطن کا ماحَصَل وہی دنیاوی مَنْفَعَت اور وہی عورت ہے۔ باقی اجر وثواب جس دولت کا نام ہے اس کے ایک ذرہ کا کروڑواں حصہ بھی اس کو نہیں ملے گا بلکہ یہ سراسر خسارہ اور محرومی کی نحوست میں گرفتار ہو کر خائب وخاسر اور

محروم ونامراد ہوکررہ جائے گا۔

بہرحال اس حدیث کا خلاصہ کلام اور حاصلِ مطلب یہی ہے کہ جو عملِ خیر نیک نیتی کے ساتھ کیا جائے گا اگر چہ وہ کتنا ہی چھوٹا عمل ہو اس پر ضرور اجروثواب ملے گا اور جو عملِ خیر بدنیتی کے ساتھ کیا جائے گا اگر چہ وہ کتنا ہی بڑا عمل کیوں نہ ہو مگر ہرگز ہرگز اس پر کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

حکایت: اس سلسلے میں ایک بزرگ کی حکایت بڑی سبق آموز اور عبرت خیز ہے۔ مشہور ہے کہ ایک بزرگ کے دو مرید تھے ایک مرید نے مسجد کے دروازے پر ایک کھونٹا گاڑ دیا اور دوسرے مرید نے اس کھونٹے کو اکھاڑ کر پھینک دیا جب ان بزرگ کو لوگوں نے ان دونوں مریدوں کی حرکتوں سے آگاہ کیا تو وہ صاحبِ کشف بزرگ تھے انہوں نے مُراقَبہ کیا اور اپنے دونوں مریدوں کی قلبی نیتوں کو دیکھ کر فرمایا کہ سبحان اللہ! دونوں کو ثواب ملا۔ حاضرین نے حیرت سے کہا کہ حضرت! ایک نے کھونٹا گاڑا اور دوسرے نے اکھاڑا اور دونوں کو برابر ثواب ملا یہ کیسے! بزرگ نے زور دے کر فرمایا کہ ہاں! ہاں! دونوں کو ثواب ملا اور دونوں کو بالکل برابر ثواب ملا۔ جب لوگوں کو بہت زیادہ حیرانی ہوئی تو آپ نے دونوں مریدوں کو بلا کر لوگوں کے سامنے پوچھا کہ کیوں جی! تم نے مسجد کے دروازے پر کھونٹا کیوں گاڑا تھا اس نے کہا کہ حضور! میری نیت تو یہ تھی کہ مسجد لبِ سڑک تھی، اونٹ والے، گھوڑے والے، بیل والے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے ہیں تو ان لوگوں کا دھیان اپنے جانوروں میں لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم جانور کھڑے ہیں یا بھاگ گئے ہیں اور وہ خوب دل لگا کر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اس لئے میں نے وہاں ایک کھونٹا گاڑ دیا تھا تا کہ لوگ اس میں اپنے جانوروں کو باندھ کر حضورِ

قلب اور اطمینان کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ بزرگ نے حاضرین سے فرمایا کہ اب بولو! تم لوگ کیا کہتے ہو؟ بتاؤ اس شخص کو ثواب ملنا چاہیے یا نہیں تو سب لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ بے شک ضرور اس کو ثواب ملنا چاہیے۔ پھر بزرگ نے دوسرے مرید سے دریافت کیا کہ کیوں جی! تم نے کھونٹے کو اکھاڑا کیوں؟ اس نے عرض کیا کہ حضور اس مسجد کے کئی نمازی نابینا ہیں اور اندھیری راتوں میں بھی لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں تو میں نے اس نیت سے کھونٹے کو اکھاڑ دیا کہ کسی نمازی کو ٹھوکر نہ لگ جائے۔ بزرگ نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ کہیئے اب آپ لوگ کیا کہتے ہیں اس نے ثواب کا کام کیا ہے یا نہیں، تو سب نے کہا کہ یقیناً اس نے ثواب کا کام کیا ہے لہٰذا اس کو ضرور ثواب ملنا چاہیے۔

غور فرمایئے کہ دونوں مریدوں کا عمل ایک دوسرے کے بالکل خلاف ہے مگر چونکہ دونوں کی نیتیں اچھی تھیں اس لئے دونوں کو برابر ثواب ملا۔

حکایت: اسی طرح حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ نے بھی مثنوی شریف میں ایک بہت ہی مؤثر حکایت اس عنوان پر تحریر فرمائی ہے! وہ لکھتے ہیں کہ ؎

خانۂ نوساخت روزے نو مرید　　پیر آمد، خانۂ او را بدید!!

یعنی ایک مرید نے جو بالکل نیا نیا مرید ہوا تھا، اس نے ایک نیا مکان بنایا اور اپنے پیر کو اس کے افتتاح کے لئے بلایا۔ چنانچہ پیر صاحب تشریف لائے اور پورے مکان کا معائنہ فرما کر مرید سے دریافت کیا کہ ؎

روزن از بہر چہ کردی اے رفیق　　گفت تا نور اندر آید از طریق

یعنی پیر نے مرید سے پوچھا کہ تم نے مکان میں روشندان کس نیت سے بنایا

ہے؟ مرید نے جواب دیا کہ میری نیت تو یہی تھی کہ روشندان کے ذریعے میرے گھر میں روشنی آئے گی۔ مرید کی زبان سے یہ سن کر پیر صاحب کو بڑا رنج و ملال ہوا اور تڑپ کر فرمایا کہ

گفت آں فرع است ایں باید نیاز ۔۔۔ تا ازیں رہ بشنوی بانگ نماز
نور خود اندر تبع می آیدت ۔۔۔ نیت آں کن کہ آں می بایدت

یعنی پیر کامل نے فرمایا کہ اگر تو نے روشندان بناتے وقت یہ نیت کرلی ہوتی کہ اس کے ذریعے اذان کی آواز تیرے گھر میں آئے گی تو روشنی بھی آجاتی اور تجھ کو تیری اس نیک نیتی پر ثواب بھی ملتا۔ آئندہ سے یاد رکھ کہ نیت ایسی کیا کر جو تجھ جیسے مؤمن کے شایانِ شان ہے یعنی ہر چھوٹے بڑے عملِ خیر کو اچھی نیت سے کر کیونکہ تمام اعمال کے ثواب کا دارو مدار اچھی نیتوں پر ہے۔ (1)

ایک عمل چند نیتیں: جب اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ عمل کے ثواب کا دارو مدار نیت پر ہے تو اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر ایک عمل پر ایک ہی اچھی نیت ہوگی تو ایک ہی ثواب ملے گا اور اگر ایک عمل کرتے وقت چند اچھی اچھی نیتیں کرلی جائیں تو جتنی تعداد میں نیتیں ہوں گی اتنی ہی تعداد میں ثواب ملے گا۔ مثلاً تمہارا کوئی بھائی مفلس و محتاج ہے اب اگر اس نیت سے تم نے اس کی مالی امداد کی کہ تم اپنے بھائی کی مدد کر رہے ہو تو تمہیں اپنے رشتہ دار کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا ایک ثواب ملے گا اور اگر تم نے اس نیت سے اس کی مالی امداد کی ہے کہ وہ ایک مفلس اور غریب آدمی ہے تو تم کو صرف ایک مفلس کی مدد کرنے کا ثواب ملے گا اور اگر تم نے اس کی امداد کے

(1)......مثنوی مولانا روم (مترجم)، دفتر دوم، ص ۴۱

وقت دو نیت کرلی کہ تم اپنے ایک رشتہ دار کی بھی مدد کررہے ہو اور امّتِ رسول کے ایک محتاج کی مالی امداد بھی کررہے ہو تو چونکہ تمہاری اچھی اچھی نیتیں دو ہیں اس لئے تم کو دو ثواب ملے گا ایک ثواب اپنے رشتہ دار کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا اور ایک امّتِ رسول کے ایک مفلس کی امداد کرنے کا۔

اسی طرح مسجد میں داخل ہونا ایک عمل ہے لیکن اگر کوئی شخص دخول مسجد کے وقت صرف ادائے نماز کی ایک ہی نیت کرے تو اس کو ایک ہی ثواب ملے گا اور اگر اس نے دُخولِ مسجد کے وقت ادائے نماز کے ساتھ یہ نیت بھی کرلی کہ میں مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں بھی پڑھوں گا مسجد میں چند منٹ کا اعتکاف کروں گا، جماعت کا انتظار کروں گا، جتنی دیر مسجد میں بیٹھا رہوں گا دنیاوی خرافات سے بچا رہوں گا، مسجد کے نمازیوں میں سے جو صالحین ہیں ان سے ملاقات کروں گا، ان لوگوں کو سلام کروں گا، مسجد میں بیٹھ کر تلاوت کروں گا یا وظیفہ پڑھوں گا یا نمازیوں کو کوئی مسئلہ بتاؤں گا یا ان سے کوئی مسئلہ سیکھوں گا۔ دیکھ لیجئے مسجد میں داخل ہونا ایک ہی عمل ہے مگر چونکہ یہ عمل چند نیتوں سے کیا گیا ہے اس لئے جتنی تعداد میں اچھی اچھی نیتیں ہوں گی اتنی ہی تعداد میں اس ایک عمل کا ثواب ملے گا۔ غرض ایک عمل پر اگر کوئی شخص پچاس نیتیں یا پانچ سو نیتیں یا پچاس ہزار نیتیں کرلے تو صرف ایک عمل پر خداوند کریم اپنے کرم بے حساب سے پچاس ہزار ثواب مرحمت فرمائے گا۔ اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے، اس کی رحمت کا اعلان ہے کہ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (1) یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل بہت ہی بڑا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(1)...... ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (پ ۱، البقرۃ: ۱۰۵)

بری نیت کا انجام: بہر حال اس حدیث کا حاصل یہی ہے کہ ایک ہی عمل اچھی نیت سے باعثِ ثواب اور بری نیت سے لائقِ عذاب ہو جایا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیت کی خرابی کی وجہ سے بہتر سے بہتر کام اور افضل سے افضل اعمالِ صالحہ کرنے والے قیامت کے دن منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے چنانچہ مسلم شریف کی ایک حدیث ہے جس کے تصور سے بدن کا ایک ایک رونگٹا کانپنے لگتا ہے۔

رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ کیا جائے گا ان میں سے ایک شہید ہو گا، یہ لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ یہ یہ نعمتیں میں نے تجھے دی تھیں؟ شہید اقرار کرے گا کہ بے شک تو نے دی تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں کے شکریہ میں کون کون سے اعمال کیے ہیں؟ وہ کہے گا کہ میں تیری راہ میں لڑا یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے میری رضا کے لئے جہاد نہیں کیا بلکہ تو اس نیت سے لڑا تھا کہ لوگ تجھ کو بہادر کہیں گے تو لوگوں نے (دنیا میں) بہادر کہہ دیا (اور تجھے تیری نیت کا پھل مل گیا) پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اپنا حکم صادِر فرمائے گا اور اس کو منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

دوسرا شخص ایک عالم ہو گا جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور قرآن پڑھا ہو گا، یہ لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فُلاں فُلاں نعمتیں میں نے تجھ کو دی تھیں؟ وہ کہے گا کہ بے شک تو نے عطا فرمائی تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں کی شکر گزاری میں کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لئے قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے تو نے تو علم اس لئے پڑھا

پڑھایا تھا کہ لوگ تجھ کو عالم کہیں گے اور قرآن اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ تجھ کو قاری کہیں گے، تو لوگوں نے تجھ کو (دنیا میں) عالم، قاری کہہ دیا (اور دنیا میں تیرا اجر تجھ کو مل گیا) پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو بھی منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

تیسرا شخص وہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت وسیع روزی دی اور ہر قسم کا مال و مَتاع عطا کیا، یہ لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ میں نے یہ یہ نعمتیں تجھ کو دیں تھیں؟ وہ ان نعمتوں کے ملنے کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں کا کون کون سے اعمال کر کے شکریہ ادا کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے تیرے لئے ہر اُس راہ میں مال خرچ کیا جس کو تو پسند فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بول رہا ہے تو نے میری رِضا کے لئے مال نہیں خرچ کیا بلکہ تو نے اس لئے مال خرچ کیا تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں گے تو لوگوں نے تجھ کو سخی کہہ دیا (اور دنیا ہی میں تیری نیت کا ثواب تجھ کو مل گیا) پھر وہ بھی خدا کے حکم سے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے آگ میں داخل کر دیا جائے گا۔(1) (مشکوٰۃ، کتاب العلم و مسلم، ج۲، ص۱۴۰)

اچھی نیت کا ثمرہ: اب ایک حدیث اور مُلاحَظہ فرمالیجئے اور اس حدیث کی روشنی میں دیکھئے کہ اچھی نیت سے عمل کرنے والے کے اعمال کے ثمرات و برکات کیا ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو کیسے کیسے درجات عطا فرماتا ہے مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے کہ

ایک شخص نے عہد کیا کہ میں چھپ کر صدقہ کروں گا۔ چنانچہ یہ شخص رات کو صدقہ کا مال لے کر نکلا اور ایک چور کو مسکین سمجھ کر صدقہ کی رقم اس کے ہاتھ میں رکھ دی۔ صبح کو اس کا چرچا ہو گیا اور لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ کسی نے رات میں ایک چور کو

......صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب من قاتل للرياء و السمعة...الخ، الحديث: ۱۹۰۵، ص ۱۰۵۵

صدقہ دے دیا۔ جب اس شخص کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ یااللہ! تیرے ہی لئے حمد ہے (افسوس!) میرا صدقہ ایک چور کے ہاتھ میں چلا گیا۔ پھر دوسری رات کو صدقہ لے کر چلا تو ایک زنا کار عورت کو محتاج سمجھ کر اس کے ہاتھ میں صدقہ کا مال رکھ دیا صبح کو پھر لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگا کہ رات میں کسی نے ایک زنا کار عورت کو صدقہ دے دیا۔ جب اس شخص کو پتہ چلا تو پھر اس نے یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ! تیرے ہی لئے حمد ہے (افسوس!) میں نے ایک زنا کار عورت کو صدقہ دے دیا۔ پھر تیسری رات یہ صدقہ لے کر نکلا تو ایک مالدار آدمی کو فقیر سمجھ کر اس کو صدقہ دے دیا۔ صبح کو پھر لوگوں نے اس کا تذکرہ اور اس پر تنقید و تبصرہ کرنا شروع کر دیا تو اس نے یہی کہا کہ یااللہ! تیرے ہی لئے حمد ہے (افسوس!) کہ میرا صدقہ چور، زانیہ اور مالدار کے ہاتھ میں پہنچا۔ یہ شخص اسی افسوس و تفکّر میں سو گیا تو خواب میں ایک فرشتہ نے خدا کی طرف سے اس کو یہ خوشخبری سنائی کہ تیرا ہر اک صدقہ مقبول ہوا تو نے چور کو صدقہ دیا تو امید ہے کہ وہ اس رات کو چوری سے بچے گا اور زانیہ کو صدقہ دیا تو امید ہے کہ وہ اس رات کو زنا کاری سے بچے گی اور مالدار کو صدقہ دیا تو امید ہے کہ اس کو عبرت ہو اور وہ بھی صدقہ دینے لگے۔[1] (مشکوٰۃ باب الانفاق)

فقط نیت پر ثواب: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب فرشتے بندوں کے نامہ اعمال کو آسمانوں پر لے کر جاتے ہیں اور دربارِ الٰہی میں پیش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَلْقِ تِلْكَ الصَّحِيْفَةَ اَلْقِ تِلْكَ الصَّحِيْفَةَ دو مرتبہ فرماتا ہے کہ اس نامۂ اعمال کو پھینک دو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ الٰہی! تیرے اس بندے نے نیک اعمال کیے ہیں

[1] ……مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب الانفاق و كراهية الامساك، الحديث: ١٨٧٦، ج١، ص٣٥٦

جن کو ہم نے دیکھ کر اور سن کر لکھا ہے ہم اس کو کیونکر پھینک دیں ،تو خداوندِ عالَم ارشاد فرماتا ہے کہ لَمْ یُرِدْ وَجْھِی اس بندے نے اس عمل میں میری رِضا کی نیت نہیں کی تھی اس لئے یہ میرے دربار میں مقبول نہیں۔

پھر دوسرے فرشتہ کو اللہ تعالیٰ یہ حکم فرماتا ہے کہ اُکْتُبْ لِفُلَانٍ کَذَا وَکَذَا یعنی فلاں بندے کے نامۂ اعمال میں فلاں فلاں عمل لکھ دے۔فرشتہ عرض کرتا ہے کہ خداوند! یہ عمل تو اس بندے نے نہیں کیا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ گو اس نے یہ عمل نہیں کیا مگر اس کی نیت تو اس عمل کے کرنے کی تھی اس لئے میں اس کی نیت پر اس کو اس عمل کا اجر دوں گا۔

اسی لئے بعض حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِه یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے ظاہر ہے کہ نیک عمل پر تو ثواب اسی وقت ملے گا جب نیت اچھی ہو اور اگر نیت بری ہو تو نیک عمل پر کوئی ثواب ہی نہیں۔مگر اچھی نیت پر تو بہر حال ثواب ملے گا خواہ عمل کرے یا نہ کرے اس لئے مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اسی لئے بعض صوفیاءِ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے فرمایا ہے کہ ؎

ہر کرا اندر عمل اخلاص نیست در جہاں از بندگانِ خاص نیست

یعنی جس شخص کے عمل میں اخلاص نہیں ہے وہ دُنیا میں خدا کے خاص بندوں میں سے نہیں ہے ؎

ہر کرا کار از برائے حق بود کارِ او پیوستہ بارونق بود

جس شخص کا عمل خدا کی رِضا کیلئے ہوتا ہے ہمیشہ اس کا عمل بارونق رہا کرتا ہے۔(1)

(اشعۃ اللمعات، ج۱،ص۳۶)

......اشعة اللمعات، خطبۂ کتاب، ج ۱،ص ۳۹

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ فِیهِ الْحَثُّ عَلٰی نِیَّةِ الْخَیْرِ مُطْلَقًا وَاِنَّهُ یُثَابُ عَلَی النِّیَّةِ یعنی اس حدیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ ہر حالت میں نیت اچھی ہونی چاہیے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نیت پر ثواب دیا جاتا ہے۔(1) (عینی، ج ۱، ص ۳۲۸)

فوائد و مسائل: اس حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد و مسائل پر بھی روشنی پڑتی ہے جن کو ہم نمبر وار تحریر کرتے ہیں:

﴿۱﴾ آپ یہ پڑھ چکے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ''مہاجر امِ قیس'' کی تنبیہ اور ہدایت کے لئے یہ حدیث ارشاد فرمائی جنہوں نے ایک عورت سے نکاح کرنے کی نیت سے ہجرت کی تھی۔ بلاشبہ وہ تنبیہ و ہدایت کے قابل تھے۔ اب اس تنبیہ و ہدایت کی ایک صورت تو یہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو سامنے بلا کر مجمع عام میں ان کو ان کی غلطی پر ٹوکتے اور ڈانٹتے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ان کو تنہائی میں بلا کر ان کی غلطی پر ان کو تنبیہ فرما دیتے۔ تیسری صورت یہ تھی کہ مجمع عام میں تمام مسلمانوں کو وعظ و نصیحت سنانے کے ضمن میں ان کو مُتَنَبِّہ فرما دیتے تا کہ ان کی پردہ پوشی کے ساتھ ان کو تنبیہ و ہدایت ہو جاتی۔ چنانچہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسی آخری صورت کو اختیار فرمایا کہ خطبہ پڑھتے پڑھتے عام الفاظ میں اور عام مسلمانوں کو خطاب فرماتے ہوئے ان کو تنبیہ فرما دی اور ''مہاجر امِ قیس'' جو اس خطبہ کو سن رہے تھے انہوں نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا کہ کسی عورت سے نکاح کرنے کی نیت سے ہجرت کرنے میں کوئی اجر و ثواب نہیں ہے، اس جملہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو تنبیہ فرمائی ہے۔

......عمدة القاری، کتاب الایمان، باب ماجاء ان الاعمال... الخ، ج ۱، ص ٤٦١

نصیحت کی پہلی دونوں صورتوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے اختیار نہیں فرمایا کہ پہلی صورت میں ان کی بڑی بے آبروئی اور رسوائی ہوتی اور دوسری صورت میں بھی ان کو انتہائی ندامت و شرمندگی ہوتی اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نصیحت و اصلاح کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے ان کو تنبیہ فرمادی اور اس انداز میں کہ ان کو ذلت و رسوائی سے بچاتے ہوئے اور ان کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے ان کی اصلاح و ہدایت فرمائی۔

سبحان اللہ! یہ ہے: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (1) کا جلوہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن میں یہ حکم دیا کہ اے محبوب آپ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی طریقۂ دعوت ''حکمت'' و ''مَوعِظۂ حسنہ'' ہے۔

﴿۲﴾ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس اسوۂ حسنہ سے پتہ چلا کہ کسی گناہگار مسلمان کو نصیحت کرنے میں اس بات کا خاص طور پر لحاظ و خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس گناہگار مسلمان کی تذلیل و تحقیر اور اس کی بے آبروئی و رسوائی نہ کی جائے نہ اس کو ایسے تلخ و دُرُشت لہجے میں ڈانٹ پھٹکار کر نصیحت کی جائے کہ اس غریب کو ندامت و شرمندگی سے عرق عرق ہو جانا پڑے۔

جو علمائے کرام وعظ و تقریر میں سخت کلامی یا تلخ و ترش لہجہ یا دلخراش الفاظ استعمال کرنے کے عادی ہیں ان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس طریقۂ تبلیغ سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو نمونۂ عمل بنانا چاہیے۔

---

(1)...... ترجمۂ کنزالایمان: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے۔ (پ ۱۴، النحل: ۱۲۵)

﴿۳﴾ اب رہا یہ سوال کہ وہ مخلوط عمل جس میں دین و دنیا کی دونوں غرضیں ملی جلی ہوں مثلاً ایک شخص حج کے لئے جاتا ہے اور کچھ تجارتی مَنْفَعَت کا پہلو بھی اس کے پیش نظر ہے تو اس صورت میں اس کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوط عمل کی چند صورتیں ہیں:

اگر عمل کا باعث و محرک صرف مَنْفَعَتِ دنیا ہے عبادت کرتا تو ہے مگر اس کو مقصود نہیں بناتا مثلاً اس کے سفرِ مکہ و مدینہ کا اصل مقصد تجارت ہی ہے اور اس نے تجارت ہی کی نیت سے یہ سفر کیا ہے اس سفر کا باعث و محرک حج نہیں ہے مگر چونکہ حج کا موسم تھا اس لئے حج بھی کر لیا اور وہ بھی اس نیت سے کہ اگر حج نہیں کیا تو لوگ برا بھلا کہیں گے تو ظاہر ہے کہ اس حج پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

اور اگر عمل کا محرک اور باعث عبادت اور نفعِ آخرت ہے مگر اسکے ساتھ تجارت وغیرہ دنیاوی مَنْفَعَت کا مقصد بھی ملا ہوا ہے۔ مثلاً سفر حرمین شریفین کا اصل مقصد تو حج ہی کرنا ہے مگر یہ بھی خیال ہے کہ اگر کوئی حلال تجارت کا موقع مل گیا تو کچھ کاروبار اور بیوپار بھی کرلوں گا تو اس صورت میں جس قدر دنیاوی مَنْفَعَت کی نیت شامل ہوگی اسی نسبت سے ثواب میں کمی ہو جائے گی اور اگر عمل کا مقصد صرف رضائے الٰہی کی طلب اور خالص عبادت ہی کا جذبہ ہے اور بال برابر بھی دنیاوی مَنْفَعَت کا خیال نہیں۔ مثلاً سفر مکہ و مدینہ میں صرف خالص حج و زیارت ہی کی نیت ہے۔ تجارت یا دنیاوی مَنْفَعَت کا خیال تک نہیں آیا ہے تو یقیناً یہ اعلیٰ درجے کی عبادت اور اس حج و زیارت پر کامل درجے کا ثواب ملے گا۔

ارکانِ اسلام

حدیث:۲

عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ بَارِزًا یومًا لِلنَّاسِ فَاَتَاہُ رَجُلٌ فَقَالَ: مَا الۡاِیۡمَانُ؟ قَالَ: اَلۡاِیۡمَانُ اَنۡ تُؤۡمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَبِلِقَائِہٖ وَرُسُلِہٖ وَتُؤۡمِنَ بِالۡبَعۡثِ قَالَ: مَا الۡاِسۡلَامُ؟ قَالَ: اَلۡاِسۡلَامُ اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰہَ وَلَا تُشۡرِکَ بِہٖ وَتُقِیۡمَ الصَّلَاۃَ وَتُؤَدِّیَ الزَّکَاۃَ الۡمَفۡرُوۡضَۃَ وَتَصُوۡمَ رَمَضَانَ قَالَ: مَا الۡاِحۡسَانُ؟ قَالَ: اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُنۡ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ قَالَ: مَتٰی السَّاعَۃُ؟ قَالَ: مَا الۡمَسۡئُوۡلُ عَنۡھَا بِاَعۡلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَسَاُخۡبِرُکَ عَنۡ اَشۡرَاطِھَا اِذَا وَلَدَتِ الۡاَمَۃُ رَبَّھَا وَاِذَا تَطَاوَلَ رُعَاۃُ الۡاِبِلِ الۡبُھۡمُ فِی الۡبُنۡیَانِ فِیۡ خَمۡسٍ لَا یَعۡلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ تَلَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: **اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ** اَلۡاٰیَۃُ، ثُمَّ اَدۡبَرَ فَقَالَ: رُدُّوۡہُ فَلَمۡ یَرَوۡا شَیۡئًا فَقَالَ: ھٰذَا جِبۡرِیۡلُ جَاءَ یُعَلِّمُ النَّاسَ دِیۡنَھُمۡ. (1) (بخاری، باب سوال جبریل الخ، ص۱۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے ملاقات کے لئے مکان سے باہر تشریف فرما تھے تو ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ ایمان کیا ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی ملاقات کو اور اس کے رسولوں کو اور موت کے بعد اُٹھنے کو تو دل سے مان لے۔ اس نے کہا: اسلام کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت

1 ......صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل...الخ، الحدیث: ۵۰، ج۱، ص۳۱

کرے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے جو فرض ہے اور رمضان کے روزے رکھے۔اس نے کہا کہ احسان کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے پس اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو (اس طرح عبادت کر کہ) وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ہاں میں ابھی تجھ کو قیامت کی کچھ نشانیاں بتاتا ہوں (جو یہ ہیں) جبکہ باندی اپنے مولیٰ کو جنے گی اور اونٹوں کے چرواہے کالے کالے رنگ والے بڑی بڑی عمارتوں میں فخر و گھمنڈ کرنے لگیں گے۔ یہ (علمِ قیامت) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے **اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ** (1) کی آیت تلاوت فرمائی (جس میں قیامت وغیرہ پانچ چیزوں کا ذکر ہے) پھر وہ (سائل) واپس چلا گیا۔اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو واپس بلا لاؤ۔تو لوگوں کو کچھ نظر نہیں آیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حضرت جبریل تھے جو لوگوں کو دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔

حضرت ابوہریرہ: اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی عبادت گزار، انتہائی متواضع اور پرہیزگار صحابی ہیں۔ابوسعید کا بیان ہے کہ یہ روزانہ بارہ ہزار رکعت نماز نفل پڑھتے تھے۔آپ یمن کے قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے۔زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام ''عبد شمس'' تھا۔ ۷ھ میں جنگ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے۔اسلام لانے

...... ترجمۂ کنزالایمان: بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم۔(پ ۲۱،لقمٰن: ۳۴)

کے بعد آپ کا نام عبدالرحمٰن یا عبداللہ رکھا گیا۔ ان کو بلّیوں سے بڑی محبت تھی ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آستین میں ایک بلّی کو دیکھا تو ان کو یَا اَبَاھُرَیْرَۃَ (اے بلی کے باپ) کہہ کر پکارا، اس دن سے آپ کا یہ لقب اس قدر مشہور ہوگیا کہ لوگ آپ کا اصلی نام ہی بھول گئے اسی لئے آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ آپ اصحابِ صُفَّہ میں سے ہیں۔ آپ نے ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں آپ کی حدیثوں کو بھول جاتا ہوں تو حضور نے حکم دیا کہ تم اپنی چادر کو زمین پر پھیلا دو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی چادر پھیلا دی پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ حدیثیں بیان فرمائیں اوران سے ارشاد فرمایا کہ اس چادر کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگالو۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حافظہ اتنا قوی ہوگیا کہ جو کچھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اس کو عمر بھر فراموش نہیں کر سکے۔ آٹھ سو صحابہ اور تابعین حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں روایت فرمائیں ہیں۔ جن میں سے چار سو چھیالیس حدیثیں بخاری شریف میں ہیں ۵۹ھ میں اٹھتر سال کی عمر پا کر مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (1) (اکمال، قسطلانی، ج۱، ص۲۱۲، عینی، ج۱، ص۱۲۶)

اس حدیث کی شان: ﴿۱﴾ اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب التفسیر اور کتاب الزکوٰۃ میں بھی ذکر کیا ہے اور امام مسلم اور امام نسائی نے کتاب الایمان میں، امام ابن ماجہ نے سنن وفتن میں، امام ابوداؤد نے ''سنت'' میں متعدد سندوں اور مختلف

......اکمال فی اسماء الرجال، حرف الھاء، فصل فی الصحابۃ، ص ۶۲۲
وفیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الایمان، باب امور الایمان، ج ۱، ص ۱۷۷

لفظوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح امام ترمذی و امام احمد وغیرہ محدثین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اس حدیث کو درج فرمایا ہے۔ امام بغوی نے اپنی دونوں کتابوں ''مصابیح'' اور ''شرحُ السُّنَّۃ'' کا آغاز اسی مضمون کی حدیث سے کیا ہے اور حضرت علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث تمام وظائف اور ظاہری و باطنی عبادتوں کی جامع ہے۔(1) (فیوض الباری، ج۱، ص۱۸۷)

﴿۲﴾ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اس حدیث کو علماء محدثین ''حدیثِ جبریل'' یا ''حدیثِ اُمُّ الاحادیث'' یا ''اُمُّ الجوامع'' کہتے ہیں۔ اس کا نام ''حدیثِ جبریل'' اس لئے ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک آدمی کی شکل میں آکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال و جواب کیا اور اس کا لقب ''اُمّ الاحادیث'' اس طرح ہوگیا کہ جس طرح قرآن کی سورۂ فاتحہ کا نام ''ام القرآن'' رکھ دیا گیا۔ ''امّ'' اصل اور جڑ کو کہتے ہیں، جس طرح سورۂ فاتحہ اجمالی طور پر تمام قرآنی مضامین کی جامع اور جڑ ہونے کی وجہ سے ''اُمُّ القرآن'' یعنی قرآن کی اصل اور جڑ کہلاتی ہے اسی طرح یہ حدیث چونکہ تمام احادیثِ نبویہ کے مضامین کو اجمالی طور پر اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اس لئے یہ ''امّ الاحادیث'' یا ''امّ الجوامع'' کہلاتی ہے۔ یعنی یہ تمام حدیثوں کی اصل اور جڑ ہے۔(2)

توضیح الفاظ: اس حدیث میں مندرجہ ذیل دو الفاظ کی توضیح و تشریح بہت اہم اور ضروری ہے جو حسبِ ذیل ہے:

---

(1)......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی...الخ، ج۱، ص۲۵۸ ملخصاً

(2)......اشعة اللمعات، کتاب الایمان، الفصل الاوّل، ج۱، ص۴۱ ملخصاً

عبادت: پَرَسْتِش کرنا، پوجنا یعنی انسان کسی کو اپنا خدا مان کر اس کی انتہائی تعظیم کرے اور اس کے سامنے اپنے کو انتہائی ذلت اور پستی میں سمجھے اور اس کے حضور اس قدر ذلیل اور پست بن جائے کہ جس کے بعد ذلت اور پستی کا کوئی درجہ ہی نہ ہو۔

واضح رہے کہ عبادت کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ جس کی عبادت کی جائے اس کے معبود (خدا) ہونے کا اعتقاد بھی ہو۔ عبادت کرنے والے کو ''عابد'' اور جس کی عبادت کی جائے اس کو ''معبود'' کہتے ہیں۔

تعظیم وعبادت میں فرق: تعظیم وعبادت میں یہی فرق ہے کہ ''عبادت'' میں تعظیم کے ساتھ اس ذات کی اُلوہِیَّت اور واجبُ الوجود اور مستحقِ عبادت ہونے کا اعتقاد بھی ہو اور تعظیم میں یہ اعتقاد نہیں ہوتا۔ لہٰذا خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہر عبادت تعظیم ہے مگر ہر تعظیم عبادت نہیں ہے اور غیر اللہ کی عبادت تو شرک ہے مگر غیر اللہ کی تعظیم ہر گز ہر گز شرک نہیں بلکہ بعض غیر اللہ کی تعظیم تو فرضِ عین ہے۔ جیسے کعبہ معظّمہ اور حضرات انبیاء علیہم السلام وغیرہ یہ سب غیر اللہ ہیں بلا شبہ ان کی عبادت کرنا تو کھلا ہوا شرک ہے مگر ان کی تعظیم لازمُ الایمان اور فرضِ عین ہے۔

جو لوگ عبادت اور تعظیم کے اس فرق سے ناواقف ہیں وہ کسی غیر اللہ کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھ کر جھٹ ''شرک'' کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھئے کہ غیر اللہ کی تعظیم شرک اور عبادت اسی وقت قرار دی جائے گی جب کسی کو خدا سمجھ کر اس کی تعظیم کی جائے۔ اس کے علاوہ غیر اللہ کی تعظیم کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ کوئی بھی ہر گز ہر گز ''شرک'' نہیں کہی جا سکتی ہیں۔

شرک: شرک کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو خدا ماننا یا عبادت کے لائق

سمجھنا یا خدا کی صفاتِ خاصّہ میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سِرُّہ نے اشعۃ اللمعات، ج۱،ص۶۱ پر تحریر فرمایا کہ شرک تین طرح کا ہوتا ہے:

ایک یہ کہ اللہ عزوجل کی طرح کسی کو واجب الوجود مانے،

دوسرے یہ کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کو خالق مانے،

تیسرے یہ کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرے۔(1)

(تعظیم وعبادت اور شرک کی مزید تفصیل ہماری کتاب ''عرفانی تقریریں''میں پڑھ لیجئے)

شرحِ حدیث: یہ مختصر حدیث ہے، یہی حدیث دوسری سندوں کے ساتھ مُفَصَّل بھی آئی ہے جن میں آسمانی کتابوں، تقدیر، نیز حج کا بھی ذکر آیا ہے۔ بہرحال اس حدیث میں جن چیزوں کا ذکر آیا ہے ہم ان پر قدرے تفصیل کے ساتھ کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

حدیث کا مطلب بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے ملاقات کی غرض سے بجائے مکان کے میدان کی کھلی فضا میں تشریف فرما تھے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دربارِ عام تھا اور صحابہ بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام ایک آدمی کی شکل وصورت میں رونق افروز ہو گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی ملاقات اور اس کے رسولوں کو صدق دل سے مان لو اور مرنے کے بعد اٹھنے اور قیامت قائم ہونے پر بھی سچے دل سے یقین رکھو۔

1......اشعۃ اللمعات، کتاب الایمان، باب الکبائر وعلامات النفاق، الفصل الاوّل، ج۱، ص۷۸

اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے دوسرا سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور شرک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دیتے رہو اور رمضان کا روزہ رکھو۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے تیسرا سوال کیا کہ احسان کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ عبادت میں احسان یعنی اچھائی یہ ہے کہ تم خدا عزوجل کی عبادت اس طرح توجہ اور اخلاص کے ساتھ کرو کہ گویا تم خدا عزوجل کو دیکھ رہے ہو اور اگر اتنی توجہ اور حضور قلب تم کو حاصل نہ ہو سکے تو کم سے کم یہی دِھیان رکھو کہ خدا عزوجل تم کو دیکھ رہا ہے۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے چوتھا سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں یہ فرمایا کہ اس بات کو میں تم سے زیادہ نہیں جانتا بلکہ اس کے بارے میں جتنا تم کو علم ہے اتنا ہی مجھ کو بھی علم ہے۔

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل کے سامنے قیامت کی نشانیوں میں سے دو نشانیوں کا ذکر فرمایا۔ اوّل یہ کہ لونڈی اپنے مولیٰ کو جنے گی، دوم یہ کہ کالے کلوٹے اونٹوں کے چرواہے اونچی اونچی بلڈنگوں اور محلوں میں فخر و تکبر کریں گے پھر آپ نے فرمایا کہ قیامت کا علم ان پانچ علموں میں سے ہے جن کو خدا کے سوا کوئی شخص اپنی عقل و دِرایت یا فہم و فراست سے نہیں جان سکتا۔ (ہاں اگر خدا کسی کو بتا دے تو وہ خدا کے بتانے سے ضرور جان لے گا)

پھر بطورِ ثُبوت کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ لقمان کی آخری آیت تلاوت فرمائی کہ

اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ ۚ وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ ؕ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿(1)

یعنی اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش اتارتا ہے اور وہی بچہ دانیوں میں جو کچھ ہے اس کو جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبر دینے والا ہے۔

اس کے بعد حضرت جبریل مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا کہ اس آدمی کو واپس بلا کر لاؤ، مگر جب صحابہ اس کی تلاش میں نکلے تو انہیں دور دور تک کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ آدمی حضرت جبریل علیہ السلام تھے اس لئے آئے تھے کہ تم کو تمہارے دین کی باتیں تعلیم فرمائیں۔

حدیثِ مذکور میں خاص طور پر چار چیزوں کا ذکر ہے: ایمان، اسلام، احسان، قیامت۔ اب ان چاروں کے بارے میں ہم کچھ تفصیل کے ساتھ عرض کرتے ہیں:

ایمان: ایمان کے معنی تصدیق کرنا یعنی سچے دل سے مان لینا ہے۔ اس حدیث میں پانچ چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے: ﴿۱﴾ اللہ پر ﴿۲﴾ فرشتوں پر ﴿۳﴾ اللہ کی ملاقات پر ﴿٤﴾ رسولوں پر ﴿٥﴾ موت کے بعد اٹھنے پر۔

اب ذرا ان پانچوں کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینھ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی، بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔ (پ ۲۱، لقمٰن: ۳٤)

اللہ پر ایمان: اللہ پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو موجود، واجب الوُجود، واحد حقیقی، وحدہٗ لاشریک لہٗ، خالقِ کائنات مانتے ہوئے اس کی تمام صفات مثلاً حیات، علم، قدرت، ارادہ، کلام، سمع، بصر، تکوین کو صدق دل سے مان کر اس پر یقین کامل رکھا جائے اور اس کو ہر عیب و نقص سے پاک مانتے ہوئے اس کو ہر صفت کمال کے ساتھ مانا جائے۔

فرشتوں پر ایمان: فرشتوں پر ایمان لانے سے یہ مراد ہے کہ صدق دل سے یہ مان لیا جائے کہ فرشتے اللہ کی ایک نوری مخلوق اور اس کے محترم بندے ہیں جن میں گناہوں کا مادہ ہی نہیں۔ وہ ہر چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم اور پاک ہیں، نہ وہ عورت ہیں نہ مرد، نہ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، بس خدا کی بندگی ان کی زندگی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ

لَا یَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ۝ (1)	یعنی وہ کبھی بھی اور کسی کام میں بھی اور کسی حال میں اللہ کی کوئی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ خداوند تعالیٰ جو کچھ انہیں حکم دیتا ہے وہی کرتے ہیں

کوئی وحی لاتا ہے، کوئی پانی برساتا ہے، کوئی انسانوں کے اعمال کی نگہبانی اور ان کی حفاظت کرتا ہے، کوئی مومنین کے لئے رحمت و مغفرت کی دعائیں کرتا ہے۔ غرض جس کو خدا نے جس کام میں لگادیا وہی کرتا ہے اور سب خدا کی عبادت و اطاعت میں مصروف عمل ہیں۔ واضح رہے کہ فرشتوں کے وجود کا انکار کرنا یا ان پر کوئی عیب لگانا یا ان کی توہین کرنا کفر ہے۔

...... ترجمۂ کنز الایمان: اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ (پ۲۸، التحریم:٦)

لِقاءِ الٰہی پر ایمان: خدا کی ملاقات پر ایمان کا یہ مطلب ہے کہ مرنے کے بعد حشر و نشر اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور اپنے اعمال کی پیشی اور جواب دہی اور جنت و دوزخ وغیرہ پر دل سے اعتقاد رکھنا۔

رسولوں پر ایمان: رسولوں پر اس طرح ایمان لانا ضروری ہے کہ جتنے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے وہ سب اللہ کے مقدس بندے اور اس کے برگزیدہ پیغمبر ہیں وہ سب سچے اور وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے وہ سب حق ہے اور ان سب نبیوں اور رسولوں نے اپنے فرائض نبوت کو کما حقہ ادا فرمایا۔

نوٹ: واضح رہے کہ کسی نبی یا رسول کا انکار کرنا یا کسی نبی و رسول کی ادنیٰ سی توہین و تَنقِیص یا ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی یا ان کی کتابوں کا انکار یا ان کی شریعتوں کے کسی ایک حکم کا انکار یا ان کی کسی ایک سنت کی تَحقِیر کرنا کفر ہے۔اسی طرح غیر نبی کو نبی ماننا بھی کفر ہے۔حضرت آدم علیہ السلام سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک ہر نبی و رسول کی تعظیم و تکریم فرض عین اور واجبُ الایمان ہے بلکہ تمام فرائض کی اصل اور جان ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خاتم النبیین ہونے کا عقیدہ بھی ضروریات ایمان میں سے ہے۔جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کا وُجود مانے یا کسی نبی کا آنا جائز و ممکن ٹھہرائے وہ کافر ہے۔

اسلام کے معنی: اسلام کے معنی لغت میں ''فرماں بردار ہو جانا'' ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دینِ برحق کو اسلام اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو اس دین کو قبول کرتا ہے وہ اپنے کو بالکل اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بنالیتا ہے چنانچہ اس حدیث میں جن اعمالِ اسلام کا ذکر ہے، یعنی عبادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور مُفَصَّل حدیث میں کلمہ شہادت

اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ ، یہ سب اعمال خدا کی فرماں برداری کے خاص الخاص نشان ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ''ارکانِ اسلام'' قرار دیا اور فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ﴿۱﴾ کلمۂ شہادت ﴿۲﴾ نماز ﴿۳﴾ روزہ ﴿٤﴾ زکوٰۃ ﴿۵﴾ حج۔ ان پانچ چیزوں کو ہر مسلمان اچھی طرح جانتا ہے، تھوڑی تفصیل ہم بھی یہاں تحریر کر دیتے ہیں۔

کلمۂ شہادت: کلمۂ شہادت کا مفہوم اور مطلب یہ ہے کہ صدقِ دل سے اللہ کے ایک ہونے اور معبود ہونے اور حضرت **محمد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دینا اور دل سے مانتے ہوئے زبان سے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہنا۔ اس میں تمام ضروری عقائدِ اسلام داخل ہیں کیونکہ جس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دل سے اللہ کا رسول مان کر ان کی رسالت کی گواہی دے دی ہر اس چیز کی تصدیق کر دی جس کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام خدا کی طرف سے لائے۔

نماز: ظہور نبوت کے بارہویں سال شب معراج میں نماز فرض ہوئی۔ نابالغ، مجنون، حیض و نفاس والی عورت کے سوا ہر مسلمان پر نماز فرض عین ہے اور کسی حالت میں بھی معاف نہیں، کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر سر کے اشارہ سے پڑھے، اس پر بھی قادر نہ ہو تو نماز مؤخّر کی جائے گی معاف اس حالت میں بھی نہیں ہوگی۔

نماز کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے اور جو قصداً ترک کرے اگرچہ ایک ہی وقت کی ہو وہ فاسق ہے۔ حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے

کہ نماز چھوڑنے والے کو بادشاہ اسلام قید کردے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے اور نماز پڑھنے لگے اور حضرت امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ ہے کہ تارکِ نماز کو بادشاہِ اسلام قتل کرادے۔

زکوۃ وروزہ: ۲ھ میں مدینہ منورہ کے اندران دونوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔نماز کی طرح زکوۃ وروزہ کا انکار کرنے والا بھی کافر ہے اوران دونوں کوترک کرنے والا فاسق اور قتل کا مستحق ہے اور زکوۃ ادا کرنے میں دیرلگانے والا گنہگار اور مَردودُ الشَّہادۃ ہے۔

حج: ۹ھ میں حج فرض ہوا۔صاحبِ استطاعت پر عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے نماز اور روزہ وزکوۃ کی طرح حج کی فرضیت بھی قطعی ویقینی ہے لہٰذا جو حج کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور باوجود طاقت کے اس کا تارک فاسق ہے اور بلاعُذر حج میں تاخیر کرنے والا گناہگار اور مَردودُ الشَّہادۃ ہے۔

احسان کی حقیقت: لغت میں احسان کے معنی ''اچھائی'' ہیں،چنانچہ اچھا کام احسان کہلاتا ہے اور کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو بھی احسان کہا جاتا ہے اور قرآن و حدیث میں لفظ احسان اس معنی میں بکثرت استعمال بھی ہوا ہے مگر اس حدیث میں جو ''احسان'' آیا ہے یہ احسان درحقیقت ایمان واسلام کی طرح دین کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کے معنی کوخود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان نبوت سے ارشاد فرمایا کہ

''خدا کی عبادت اس طرح کی جائے کہ گویا عبادت کرنے والا خدا کو دیکھ رہا ہے۔''

اس معنی میں احسان کا تعلق صرف نماز وروزہ اور زکوۃ وحج ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مومن کے ہر عمل میں اس کی روح کارفرما ہونی چاہئے یعنی ہر عمل کے

وقت بندہ اس طرح حضورِ قلب اور اخلاصِ دل کے ساتھ عمل میں مشغول ہو کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اس تصور سے عمل کرنے والے بندے کے دل میں خوف و خشیت ربانی اور امید و رجاء رحمانی کا ایسا نور پیدا ہو جائے گا کہ اس کا عمل انوار مقبولیت کی روشنی سے پُر نور اور بندہ سراپا نور بلکہ نور علیٰ نور ہو جائے گا اور رحمتِ کردگار و فضلِ پروردگار کا دونوں جہان میں مستحق و حق دار بن جائے گا۔

قیامت کی نشانیاں: قیامت کی بہت سی نشانیاں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیان فرما چکے ہیں جو سینکڑوں کی تعداد میں ہیں اور حدیثوں میں ان کا مُفَصَّل ذکر ہے، جن میں سے بہت سی نشانیاں ظاہر بھی ہو چکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی یقیناً ظاہر ہو کر رہیں گی۔ مثلاً ﴿۱﴾ دجال کا فتنہ ﴿۲﴾ امام مہدی کا ظہور ﴿۳﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا ﴿۴﴾ یاجوج ماجوج کا نکلنا ﴿۵﴾ دابّۃُ الارض کا خُروج ﴿۶﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کچھ دنوں کے بعد جب قیامت کے آنے میں صرف چالیس برس رہ جائیں گے تو ایک خوشبودار ٹھنڈی ہوا چلے گی اور وہ لوگوں کی بغلوں کے نیچے سے گزرے گی، اس ہوا کے لگتے ہی تمام ایمان والوں کی وفات ہو جائے گی اور روئے زمین پر صرف کفار ہی کفار رہ جائیں گے اور انہی اَشرار پر قیامت قائم ہو گی وغیرہ وغیرہ یہ سب قیامت کی وہ نشانیاں ہیں جو ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی ہیں مگر ان سب کا ظہور اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ رات کے بعد دن کا آنا یقینی ہے۔ کیونکہ حضور مُخْبِر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب علامات قیامت کے ظاہر ہونے کی خبر دی ہے کیوں اس لئے کہ ؎

ہزار فلسفیوں کی چناں چنیں بدلی ۔۔۔ نبی کی بات بدلنی نہ تھی نہیں بدلی

اس حدیث میں قیامت کی صرف دو نشانیوں کا ذکر ہے:

اول: لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔

دوم: اونٹوں کے سیاہ فام چرواہے اونچے اونچے محلوں میں فخر کریں گے۔

قیامت کی یہ دو نشانیاں اُن نشانیوں میں سے ہیں جو اس زمانے میں ظاہر ہوچکی ہیں اور جن کو ہر شخص آج اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ پہلی نشانی کہ ''لونڈی اپنے آقا کو جنے گی'' شارحینِ حدیث نے اس کے بہت معانی بیان فرمائے ہیں مگر فقیر راقم الحروف کے نزدیک اس حدیث کا سب سے زیادہ راجح اور واضح مطلب یہی ہے کہ اولاد نافرمان پیدا ہونے لگے گی یعنی لڑکے اپنی ماؤں کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے جیسا سلوک مولیٰ اپنی لونڈی کے ساتھ کیا کرتا ہے تو گویا ماں نے اپنے لڑکے کو نہیں جنا بلکہ اس کے پیٹ سے اس کا مولیٰ پیدا ہوا چنانچہ آج کل کی اولاد ماں باپ کے ساتھ جو سلوک کرتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔

دوسری نشانی کہ ''سیاہ فام اونٹوں کے چرواہے محلوں میں فخر کریں گے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیر و ذلیل پست اقوام کے لوگ جن کو کبھی پھونس کی چھپّر بھی میسر نہیں تھی وہ اونچی اونچی کوٹھیوں اور شاندار بنگلوں میں فخر کریں گے۔

یہ منظر آپ عرب میں بھی دیکھیں گے کہ کالے کالے تکرونی عرب بدوی جو اونٹوں کے چرواہے تھے آج اپنی اپنی کوٹھیوں میں کس ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ متکبرانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنے ملک میں بھی چرواہے بلکہ ان سے بھی کہیں بدتر لوگ آج اپنے اپنے بنگلوں میں فرعون بنے بیٹھے ہیں اور صورت ایسی ہے جیسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ابھی ابھی کوئلوں کی بوری، ڈامر کے پیپے میں سے نکلے ہیں۔

حکومت کی کرسیوں پر براجمان ہونے والے ان نا اہلوں کو دیکھ کر مجھے اکثر یہ حدیث یاد آجاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ تو حضور نے فرمایا کہ جب امانت ضائع کی جانے لگے تو تم قیامت کا انتظار کرو، صحابی نے دریافت کیا کہ امانت سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی بربادی کیسے ہوگی؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ ''اِذَاوُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ'' یعنی جب حکومت اور عہدے نا اہلوں کے سپرد ہونے لگیں تو تم قیامت کا انتظار کرو۔(1)

قیامت کا علم: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا انکار کرنے والے اس حدیث سے بڑے طَنطنے کے ساتھ دلیل لاتے ہیں کہ دیکھو حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کا وقت دریافت کیا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ ''میں سائل سے زیادہ نہیں جانتا'' پھر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ لقمان کی آیت تلاوت فرما کر صاف طور سے بتادیا کہ پانچ چیزوں کا علم خدا کی ذات کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے۔

خدا گواہ ہے کہ مجھے ان فاضلوں کے اس استدلال کو سن کر انتہائی تعجب ہوتا ہے۔ اللہ اکبر! کتنا بڑا ستم ہے کہ جس حدیث سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے لئے قیامت کا علم ثابت ہوتا ہے اسی حدیث کو یہ لوگ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے لئے علم قیامت کی نفی پر بطورِ دلیل کے پیش کرتے ہیں۔

سیدھی سی بات ہے کہ اگر واقعی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہی بتانا تھا کہ مجھے

---

(1)......صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من سئل علماً...الخ، الحدیث ۵۹، ج۱، ص۳۶ ملخصاً

قیامت کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے تو اس مفہوم و معنی کو ادا کرنے کے لئے بہت سے الفاظ ہو سکتے تھے۔ مثلاً: ”لَا اَعۡلَمُهَا“ میں اس کو نہیں جانتا یا ”لَسۡتُ بِعَالِمِهَا“ میں اس کا جاننے والا نہیں ہوں یا ”مَا لِیۡ بِذَالِكَ مِنۡ عِلۡمٍ“ مجھے اس چیز کا کوئی علم نہیں۔ یا ”لَيۡسَ عِلۡمُهَا عِنۡدِیۡ“ میرے پاس اس کا علم نہیں ہے یا ان کے ہم معنی کوئی دوسرا جملہ حضور ارشاد فرما دیتے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان جملوں میں سے کوئی یا اس قسم کا کوئی جملہ ارشاد نہیں فرمایا بلکہ سائل کے جواب میں یہ فرمایا کہ ”مَا الۡمَسۡئُوۡلُ عَنۡهَا بِاَعۡلَمَ مِنَ السَّائِلِ“ یعنی جس سے قیامت کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

اس عبارت کا کھلا ہوا اور صاف صاف مطلب یہی ہوا کہ اے جبریل! میں قیامت کے بارے میں تم سے زیادہ نہیں جانتا۔

عالم تو خیر عالم ہے کسی عربی خواں طالب علم سے بھی اگر آپ اس جملہ کا ترجمہ کرائیں گے تو یقیناً وہ بھی یہی ترجمہ کرے گا جو میں نے لکھا۔ اب آپ ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اور ایمان سے کہیے کہ حضور کے ارشاد: ”میں جبریل سے زیادہ قیامت کو نہیں جانتا“ اس کا کیا مطلب ہوا! یہ مطلب ہوا کہ ”قیامت کے بارے میں مجھ کو اور جبریل دونوں کو علم ہے اور میرا علم اس معاملہ میں جبریل سے زیادہ نہیں“ یا یہ مطلب ہوا کہ ”میں اور جبریل قیامت کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔“

اب آپ انصاف کیجئے کہ اس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور جبریل علیہ السلام دونوں کو قیامت کے بارے میں علم ہے یا یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جبریل علیہ السلام دونوں کو قیامت کا علم نہیں ہے۔

واللہ! اگر آپ میں ذرا بھی انصاف کا مادہ ہوگا تو آپ یہی کہیں گے کہ واقعی اس حدیث کا مفہوم یہی ہے کہ ''حضور اور جبریل دونوں کو قیامت کا علم ہے۔''

افسوس! ان لوگوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ حضور کے قول ''مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ'' میں ''اَعْلَمُ'' اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اسم تفضیل کی نفی سے بالکل ہی فعل کی نفی لازم نہیں ہے، اگر آپ یہ کہیں کہ زید عُمرو سے زیادہ حسین نہیں ہے۔تو اس سے کب یہ لازم آتا ہے کہ زید میں بالکل ہی حُسن نہیں ہے ظاہر ہے کہ ''بالکل ہی حسن والا نہ ہونا'' یہ اور بات ہے اور ''زیادہ حسن والا نہ ہونا'' یہ اور بات ہے۔

بہر کیف اس حدیث سے ہرگز ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو قیامت کا بالکل ہی علم نہیں تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث سے حضور اور حضرت جبریل دونوں کے لئے قیامت کا علم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ شیخ احمد صاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے سورۂ احزاب کی آیت **یَسْئَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ط قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ** (1) کی تفسیر میں تحریر فرمایا: فَلَمْ یَخْرُجْ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اطَّلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰی جَمِیْعِ الْمُغَیَّبَاتِ وَمِنْ جُمْلَتِهَا السَّاعَةُ لٰکِنْ اَمَرَ بِکَتْمِ ذٰلِكَ. (2) (صاوی، ج۳، ص۲۸۹)

یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام دنیا سے اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے آپکو تمام غیوب کے علوم پر مُطّلع فرمادیا اور انہیں میں سے ''قیامت'' کا علم بھی ہے لیکن اللہ تعالٰی نے آپ کو یہ حکم دے دیا تھا کہ ''قیامت کب

(1) ترجمۂ کنزالایمان: لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ (پ۲۲، الاحزاب: ۶۳)

(2) حاشية الصاوی علی تفسیر الجلالین، سورة الاحزاب، تحت الآية: ۶۳، ج۵، ص۱۶۵۸

آئے گی''اس علم کو آپ امت سے چھپائیں۔اب رہ گیا یہ سوال کہ حضور نے سورۂ لقمان کی آیت تلاوت فرما کر یہ فرما دیا کہ ان پانچوں باتوں کا بجز خدا کے کسی کو علم نہیں اس کا کیا جواب ہے؟

تو اس کے جواب میں ہم یہی عرض کریں گے کہ اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان پانچوں چیزوں کا علم نہیں تھا کیونکہ اس آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ ان پانچوں چیزوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کوئی انسان یا جن یا فرشتہ اگر اپنی عقل وفہم سے ان پانچوں چیزوں کو جاننا چاہے تو ہرگز ہرگز نہیں جان سکتا لیکن اگر خداوندِ عالَم کسی کو بتا دے تو یقیناً وہ جان لے گا۔اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ خدا ہی جانتا ہے اور خدا کسی کو ان پانچوں چیزوں کا علم عطا نہیں کرے گا بلکہ اس آیت کے آخر میں اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ (1) کا جملہ تو صاف صاف بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان پانچوں چیزوں کو جانتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے ان پانچوں چیزوں کی خبر بھی دے دیتا ہے کیونکہ وہ صرف علیم (علم والا) ہی نہیں ہے بلکہ خبیر (خبر دینے والا) بھی ہے۔

یہ صرف میری ناقص عقل کا ''تیر تکہ'' نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے علم تفسیر و حدیث کے ماہرینِ فن کی بھی یہی تحقیق ہے۔چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح اشعۃ اللمعات، ج۱،ص۴۴ میں اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ان غیب کی چیزوں کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے اندازے سے کوئی نہیں جان سکتا مگر وہ جس کو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی یا اِلہام بتادے وہ جانتا ہے۔(2)

1...... ترجمۂ کنزالایمان: بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔(پ ۲۱،لقمان:۳٤)

2......اشعة اللمعات، کتاب الایمان،الفصل الاوّل، ج ۱،ص ٤٨

اسی طرح حضرت علامہ شیخ مُلا جیون (استاد عالمگیر بادشاہ) نے اسی آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا کہ اگرچہ ان پانچوں باتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ عزوجل اپنے محبوبوں اور ولیوں میں سے جس کو چاہے بتادے کیونکہ لفظ ''خبیر'' ''مُخبِر'' (خبر دینے والے) کے معنی میں ہے۔(1) (تفسیرات احمدیہ)

خلاصۂ کلام: الغرض اس حدیث سے ہرگز ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کا علم نہیں تھا بلکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے کلام کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اے جبریل! میں تم سے زیادہ نہیں جانتا یعنی مجھ کو بھی قیامت کی خبر ہے اور تم کو بھی لیکن مجمعِ عام میں اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ علم قیامت میرے ان علوم میں سے ہے جن کا عوام سے چھپانا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض فرمایا ہے۔

بہرکیف حضرت جبریل کے سوال اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جواب سے حاضرین کو صرف اتنا بتانا مقصود تھا کہ قیامت کا علم ذاتی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور ایک مومن کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ قیامت پر ایمان رکھے لیکن قیامت کے آنے کا وقت معلوم کرنا مومن کے لئے نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی کسی مومن کو اس کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اس کا علم بغیر خدا کے بتائے کسی کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

(علم قیامت کی پوری بحث ہماری کتاب ''قرآنی تقریریں'' میں پڑھ لیجئے۔)

مسائل حدیث: اس حدیث ''اُمُّ الاحادیث'' سے بہت سے مسائل پر روشنی پڑتی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

﴿1﴾ فرشتے انسانی شکل وصورت میں آسکتے ہیں جیسا کہ آپ نے پڑھا کہ حضرت

---

(1)......التفسیرات الاحمدیة، سورة لقمان تحت الآیة: ٣٤، ص٦٠٨، ٦٠٩

جبریل علیہ السلام بارگاہ نبوت میں ایک آدمی کی شکل میں تشریف لائے۔

﴿۲﴾ کسی شخص سے کسی بات کے متعلق سوال کرنا یہ سائل کی لاعلمی کی دلیل نہیں ہے دیکھئے حضرت جبریل نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے چند باتوں کا سوال کیا حالانکہ حضرت جبریل ان باتوں کو خوب اچھی طرح جانتے تھے مگر جاننے کے باوجود حضور سے سوال کیا تاکہ لوگ زبانِ رسالت سے اس کا جواب سن کر دین کا علم حاصل کریں۔

علماء دیوبند کا بار بار یہ کہنا کہ اگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو فلاں بات کا علم ہوتا تو کیوں لوگوں سے دریافت کرتے یہ بہت بڑا دھوکہ ہے یاد رکھئے کہ سوال کے بہت سے مقاصد ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں ہے کہ سوال صرف اُسی بات کا کیا جائے جو معلوم نہ ہو۔ آخر امتحان لینے والے بھی تو طالب علموں سے سوالات کرتے ہیں تو کون عقل مند یہ کہہ سکتا ہے اگر ممتحن صاحب کو یہ باتیں معلوم ہوتیں تو وہ طلبہ سے کیوں پوچھتے۔

﴿۳﴾ اگر کسی سوال کا جواب ایسا ہو جو عام سامعین کی عقل وفہم سے بالا ہو یا اس جواب کو عوام سے چھپانے میں کوئی مَصْلَحت ہو تو عالموں پر یہ ضروری نہیں ہے کہ مجمع عام میں اس کا جواب دیں دیکھ لیجئے! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کا علم تھا مگر چونکہ حضور پر منجانبِ اللہ فرض تھا کہ قیامت کا علم کسی پر ظاہر نہ فرمائیں اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو واضح طور پر اس سوال کا جواب نہیں دیا کیونکہ عوام اس علم کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے ظاہر ہے کہ جو شربت ہاتھی کے لئے تیار کیا گیا ہے وہ بھلا ایک چیونٹی کو کس طرح اور کیونکر پلایا جاسکتا ہے۔

ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مقامے دارد

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

درختِ ایمان کی شاخیں

حدیث:۳

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّ سِتُّوْنَ شُعْبَةً وَّالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ (1)(بخاری شریف،ج۱،کتاب الایمان،ص۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی شاخیں ساٹھ سے کچھ زیادہ ہیں اور ''حیا'' ایمان کی ایک بہت بڑی شاخ ہے۔اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ مسلم،نسائی،ابوداؤد،ابن ماجہ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے۔

توضیحِ الفاظ: بِضْعٌ کا لفظ گنتی میں تین سے لے کر نو تک کے عدد پر بولا جاتا ہے۔شُعْبَةٌ شاخ کو کہتے ہیں۔حَیَاءٌ کا ترجمہ ''شرم'' ہے جس کو ہندی میں ''لاج'' بھی کہتے ہیں۔

حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لفظِ حیاء کی تفسیر فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اَلْحَیَاءُ اِنْقِبَاضُ النَّفْسِ عَنِ الْقَبِیْحِ مُخَافَةَ الذَّمِّ (بیضاوی شریف) یعنی مذمت کا خوف کرتے ہوئے برے کاموں سے نفس کا سکڑ جانا،اس کیفیت کا نام ''حیا'' ہے۔

یہ درحقیقت ''وَقاحت'' اور ''خجالت'' کے درمیان کی ایک صفت ہے۔''وقاحت'' یہ ہے کہ انسان اس قدر بے شرم و بے غیرت بن جائے کہ اس کو کسی بُرے سے بُرے کام کرنے سے بھی کوئی جھجک ہی نہ ہو۔اور ''خجالت'' یہ ہے کہ انسان اتنا شرمیلا ہو جائے کہ اچھے اور بُرے کام سے جھجکنے لگے اور ''حیا'' یہ ہے کہ بُرے کاموں سے یہ خیال کر کے جھجک ہو کہ لوگ مذمت کریں گے اور اچھے کاموں سے کوئی جھجک نہ ہو۔وقاحت اور خجالت یہ دونوں انسان کی مذموم اور بُری صفتیں ہیں اور حیاء انسان کی انتہائی محمود اور

(1)......صحیح البخاری،کتاب الایمان،باب امور الایمان،الحدیث:۹،ج۱،ص۱۵

پسندیدہ صفت ہے۔

شرح حدیث: اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کو ایک ایسے درخت سے تَشْبِیْہ دی ہے جس میں چھوٹی بڑی بہت سی ٹہنیاں اور شاخیں ہوں جنکی وجہ سے وہ درخت ہرا بھرا، سایہ دار، انتہائی خوشنما اور نہایت ہی حسین وخوبصورت نظر آتا ہے یہی مثال ایمان کی ہے کہ ایمان کی چھوٹی بڑی بہت سی خصلتیں ہیں کہ جنکی وجہ سے ایمان کی رونق اور خوبی میں چار چاند لگ جاتا ہے اور اس کے اثرات وثمرات کی بدولت صاحب ایمان کی زندگی دونوں جہاں میں حُسن و جمال کا ایک ایسا جاذب نظر مُرقَّع بن جاتی ہے کہ وہ تمام مخلوق کی نگاہوں میں صاحبِ وقار اور قابل اعتبار ہو جاتا ہے اور دربارِ خداوندی میں عظمت دارین کا حقدار بن جاتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں یعنی خصلتیں ہیں اور حیاء ایمان کی ایک نہایت ہی اہم اور بہت بڑی شاخ یعنی خصلت ہے۔

اب غور فرمایئے کہ وہ خوشنما اور بارونق درخت جو اپنی بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں کی وجہ سے انتہائی خوبصورت نظر آتا ہے اگر اس کی تمام شاخوں کو کاٹ ڈالا جائے اور صرف اس درخت کے تنہ کا ''ٹُھنٹھ'' باقی رہ جائے تو پھر ظاہر ہے کہ اب وہ درخت کہلانے کا مستحق نہیں رہے گا۔ بھلا کون ہے جو صرف تنہ کے ''ٹُھنٹھ'' کو درخت کہے گا جس میں نہ ڈالیاں ہوں نہ ٹہنیاں نہ شاخیں ہوں نہ پتیاں! اسی طرح اگر درخت کی کچھ شاخوں کو کاٹ کر درخت کو ننگا کر دیا جائے تو یقیناً درخت کی حسین وخوبصورت چھتری کا حُسن و جمال تَہَس نَہَس ہو جائے گا اور اُس کا سایہ بھی کم ہو جائے گا اور اسکے پھل پھول میں بھی نمایاں کمی ہو جائے گی اور اگر درخت کی کوئی اتنی بڑی ڈالی کاٹ ڈالی جائے جس میں بہت سی ٹہنیاں اور شاخیں ہوں اور وہ ڈال درخت کی نشوونما اور اس کی سرسبزی وشادابی میں مُمِد و

مُعاوِن رہی ہو تو پھر اندیشہ ہے کہ شاید پورا درخت ہی خشک ہو کر آگ کا ایندھن بن جائے۔

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ایمان کی بھی چھوٹی بڑی بہت سی خصلتیں ہیں کہ اگر ان تمام خصلتوں کا وجود ختم ہو جائے تو گویا ایمان ہی کا خاتمہ ہو جائے گا اور اگر کچھ خصلتیں معدوم ہو گئیں تو جتنی خصلتیں اور جتنی جتنی اہم خصلتیں ناپید ہوتی چلی جائیں گی اسی قدر ایمان کا نور، اس کی رونق، اس کا حسن و جمال کم سے کم تر ہوتا چلا جائے گا۔ اور اگر کوئی ایسی اہم سے اہم تر اور خاص الخاص خصلت برباد ہو گئی جو ایمان کا نشان بلکہ شانِ ایمان کہلانے کی مستحق تھی تو پھر تو انتہائی خطرہ ہے کہ کہیں ایمان ہی برباد نہ ہو جائے۔ چنانچہ ایسی ہی ایک نہایت ہی اہم خصلتِ ایمان کو بیان فرماتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ'' یعنی حیاء ایمان کی ایک بہت ہی بڑی شاخ یعنی خصلت ہے۔

حیاء بڑی شاخ کیوں ہے: اب رہا یہ سوال کہ آخر ''حیاء'' ایمان کی بہت بڑی شاخ اور بہت اہم خصلت کیونکر اور کس طرح ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پورے خصائل ِایمان اور اعمالِ اسلام دو ہی قسموں میں مُنْحَصِر ہیں ''اَوامِر'' اور ''نَواہی'' یعنی اچھا کام کرو اور بُرا کام مت کرو اور ظاہر ہے کہ جس مسلمان میں حیاء کی صفت ہو گی وہ تمام بُرے کاموں سے فطری طور پر رک جائے گا اور تمام نواہی سے باز رہے گا تو ایک صفت حیاء کی وجہ سے مسلمان تمام شرعی ممنوعات سے بچ جائے گا تو گویا حیاء ایمان کی ایک ایسی خصلت ہوئی کہ اس کی وجہ سے بہت سی ایمانی خصلتیں پائی جائیں گی۔ اس لئے بِلا شبہ یہ درختِ ایمان کی شاخوں میں سے نہایت ہی اہم اور بہت ہی بڑی شاخ ہے۔

ساٹھ یا سَتّر: واضح رہے کہ بخاری شریف کی اس روایت میں تو ایمان کی شاخوں کو

ساٹھ سے کچھ زائد بتایا گیا ہے مگر دوسری روایتوں میں ''بضع وسبعون'' کا لفظ آیا ہے۔ یعنی ایمان کی شاخیں ستَّر سے کچھ زیادہ ہیں۔ بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارُض نظر آتا ہے مگر درحقیقت کوئی تعارُض نہیں ہے کیونکہ قلیل کثیر میں داخل ہوتا ہے اس لئے جب ایمان کی شاخیں ستَّر سے اوپر ہوئیں تو پھر ساٹھ سے اوپر بھی ہوئیں۔ اس لئے کسی روایت میں ساٹھ سے زائد کہہ دیا گیا اور کسی روایت میں ستَّر سے اوپر کہہ دیا گیا۔

اور بعض شارِحینِ حدیث نے دونوں حدیثوں میں تعارُض دفع کرنے کیلئے یہ فرمایا کہ ساٹھ سے اوپر یا ستَّر سے زائد جو فرمایا گیا تو ان دونوں گنتیوں سے تَعْیِین و تَحْدِید مُراد نہیں ہے بلکہ تکثیر مراد ہے یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خصائل ایمان گنتی میں ساٹھ سے کچھ زیادہ ہی ہیں یا ستر سے اوپر ہی ہیں بلکہ ان دونوں گنتیوں سے مُراد یہ ہے کہ ایمان کی خصلتیں بہت زیادہ ہیں۔ جیسے ہمارے اردو کے محاورہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ ''میں نے پچاس مرتبہ تم کو حکم دیا'' اور ''ستر مرتبہ تم کو منع کیا'' تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے گن کر پچاس مرتبہ تم کو حکم دیا اور گن کر ستر مرتبہ تم کو منع کیا بلکہ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ میں نے بہت مرتبہ تم کو حکم دیا اور بہت مرتبہ تم کو منع کیا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ تعارض کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب رہا یہ سوال کہ ایمان کی شاخیں یعنی خصلتیں کون کون ہیں؟ تو علامہ عینی وغیرہ نے ان کی تعداد سَتَّتر (77) تحریر کی ہے جن کا تذکرہ طوالت سے خالی نہیں مگر خلاصہ یہ ہے کہ تمام احکام اسلام خواہ وہ اعتقادی ہوں یا قولی و فعلی، مثلاً کلمۂ شہادت، نماز و روزہ اور حج و زکوۃ، حقوق اللہ، حقوق العباد، یہ سب کے سب درختِ ایمان کی شاخیں اور ایمانی خصلتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک ایمان کے اثرات و ثمرات ہیں جس سے درخت

ایمان کا حُسن و جمال بڑھتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو ترک کردینے سے ایمان کا درخت اپنی خوشنما اور بارونق خوبصورتی اور شادابی سے محروم ہوجاتا ہے۔

فوائد و مسائل: ﴿۱﴾ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان درجات و مراتب میں برابر نہیں ہے بلکہ جس مسلمان میں ایمانی خصلتیں زیادہ سے زیادہ ہوں گی وہ یقیناً اُس مسلمان سے مراتب و درجات میں افضل و اعلیٰ ہوگا جس میں ایمان کی خصلتیں کم ہوں گی۔

﴿۲﴾ ایمان اصل ہے اور اعمال اس کی فرع ہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث میں یا دوسری حدیثوں میں جہاں جہاں بھی اعمال کو ایمان کہا گیا ہے مجاز کے طور پر کہا گیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اعمال ایمان کا جُزو نہیں ہیں کیونکہ قرآن و حدیث میں بے شمار جگہوں پر اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا لفظ آیا ہے اور عمل کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف کا تقاضا یہی ہے کہ مَعْطُوف اور معطوف علَیْہ میں تَغایُر ہو لہٰذا ثابت ہوا کہ عمل اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے۔ ایمان اصل ہے اور اعمال ایمان کی خصلتیں اور علامتیں ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ اعمال ایمان کے اثرات و ثمرات ہیں۔

﴿۳﴾ اس حدیث نے اس حقیقت کی تصریح کردی کہ ''حیاء'' مومن کی بڑی ہی انمول اور نہایت ہی گراں قدر صفت ہے اس لئے جس مومن میں حیاء نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس کے درخت ایمان کی بہت ہی بڑی شاخ کٹ گئی ہے اسی لئے عرب کی ایک بہت پرانی مثل ہے جس پر تصدیقِ نبوت کی بھی مہر لگی ہوئی ہے کہ ''اِذَا لَمْ تَسْتَحِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ'' جس کا فارسی میں ترجمہ ہے کہ ''بے حیا باش ہر چہ خواہی کن'' یعنی جب تمہارے اندر حیا ہی نہیں رہی تو پھر جو چاہو کرو۔(1)

---

(1)...... صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ٥٦۔ باب، الحدیث: ٣٤٨٤، ج ٢، ص ٤٧٠

کون مسلمان افضل ہے

حدیث:٤

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ:قَالُوْا:یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ:مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔(1) (بخاری،ج١،کتاب الایمان،ص٦)

ترجمہ: حضرت ابوموسٰی اَشْعَری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے،صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کون سا اسلام افضل ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اس شخص کا اسلام جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان سلامت رہیں۔

حضرت ابوموسٰی: اس حدیث کے راوی حضرت ابوموسٰی اَشْعَری رضی اللہ تعالٰی عنہ بہت ہی نامور صحابی ہیں۔یمن کے قبیلہ اَشْعَر سے آپ کا تعلق ہے اس لئے اَشْعَری کہلاتے ہیں۔آپ نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا اور پہلے مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے پھر حبشہ سے ہجرت کر کے مدینے آئے۔حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ''زُبَید'' و ''عَدَن'' ساحلِ یمن کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کو کوفہ و بصرٰی کا گورنر بنایا۔آپ سے کل تین سو ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔صحابہ اور تابعین کی بہت بڑی تعداد آپ کے شاگردوں کی فہرست میں ہے،خاص کر آپ کے صاحبزادگان ابو بردہ،ابوبکر،ابراہیم،موسی نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں،بخاری شریف میں آپ کی روایتوں کی تعداد چوّن ہے۔(فیوض الباری،ص١١٥)(2) مگر علامہ قسطلانی کا بیان ہے کہ بخاری شریف میں ستاون حدیثیں

---

1 ......صحیح البخاری،کتاب الایمان،باب ایّ الاسلام افضل؟،الحدیث:١١،ج١،ص١٦

2 ......فیوض الباری،پارہ اوّل،کتاب الایمان،باب ایّ الاسلام افضل،ج١،ص١٧٩

آپ سے مروی ہیں۔ (ارشادالساری، ج۱،ص۲۱۶)

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ آپ نے ۴۱ھ یا ۴۴ھ یا ۴۵ھ میں بمقام کوفہ وفات پائی۔(1) مگر اِکمال فی اَسماءِالرِّجال میں تحریر ہے کہ ۵۲ھ میں مکہ مکرمہ کے اندر آپ کی رِحلت ہوئی۔(2) واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرحِ حدیث: اس حدیث کو مسلم اور نسائی نے کتاب الایمان میں اور ترمذی نے کتاب الزُھد میں ذکر کیا ہے۔ مسلم شریف میں اسی مضمون کی جو دوسری روایت درج ہے اس میں "اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ" کی جگہ " اَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ اَفْضَلُ " کا لفظ آیا ہے۔ بہرحال اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں افضل وہ مسلمان ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان سلامت رہیں، نہ وہ کسی مسلمان کو اپنی زبان سے کوئی ایذا پہنچائے نہ اپنے ہاتھ سے کسی مسلمان کو کوئی تکلیف دے۔

فوائد و مسائل: ایذا اور تکلیف تو زبان اور ہاتھ کے علاوہ دوسرے اعضاء سے بھی پہنچائی جاسکتی ہے اور کسی بھی عضو سے کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچانا حرام ہے مگر اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ زبان اور ہاتھ کا ذکر اس لئے ہے کہ انسان کے زیادہ تر اعمال وافعال زبان اور ہاتھ ہی سے انجام پاتے ہیں اور حدیث میں ان دونوں اعضاء میں سے زبان کا ذکر پہلے اور ہاتھ کا ذکر بعد میں اس لئے کیا گیا کہ ایذا پہنچانے کے معاملہ میں زبان کا نمبر ہاتھ سے بھی آگے ہے کیونکہ اوّلاً تو زبان سے تکلیف پہنچانا بہت ہی کثیر الوقوع اور آسان ہے۔کون نہیں جانتا کہ انسان اپنی گالیوں، افترا پردازیوں، بدگوئیوں، غیبتوں، چغلیوں سے اور زبان سے ظلم اور ناانصافی کے احکام دے کر ایک

(1)......ارشاد الساری، کتاب الایمان، باب ایّ الاسلام افضل؟، تحت الحدیث: ۱۱، ج۱، ص۱۶۰

(2)......اکمال فی اسماء الرجال، حرف المیم، فصل فی الصحابۃ، ص۶۱۸

منٹ میں سینکڑوں ایذائیں اور تکلیفیں پہنچا دیتا ہے۔ پھر ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زبان کی ایذائیں اور تکلیفیں ہاتھ اور دوسرے اعضاء کی تکلیفوں سے بدرجہا بڑھ کر دکھ دینے والی ہوا کرتی ہیں۔ کسی عربی شاعر نے اس بارے میں کیا خوب کہا ہے کہ ؎

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ ۔۔۔ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

یعنی برچھیوں اور بھالوں کے زخم تو بھر کر اچھے ہوجایا کرتے ہیں مگر زبان کے لگائے ہوئے زخم کبھی نہیں بھرا کرتے بلکہ وہ ہمیشہ تازہ ہی رہتے ہیں۔

پھر زبان کی ایذا اور تکلیف ایسی ہے کہ دور والے اور نزدیک والے سب کو پہنچائی جاسکتی ہے برخلاف ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کے کہ ان سے صرف اسی کو تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے جو قریب ہو۔ بہرکیف ارشاد نبوی کا مقصد یہ ہے کہ جو مسلمان کسی طرح کسی مسلمان کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچائے اس مسلمان کا اسلام ان مسلمانوں سے افضل واعلیٰ ہے جو ایذا پہنچاتے اور دکھ دیتے رہتے ہیں۔

﴿۲﴾ یہ حدیث "جَوَامِعُ الْكَلِم" میں سے ہے یعنی اس کے مختصر الفاظ میں معانی ومضامین اور احکام وفرامین کا ایک سمندر موجیں مار رہا ہے۔ اگر مسلمان صرف اس ایک حدیث پر صحیح معنوں میں عمل کرلیں تو پھر حقوق العباد کے تمام جزئیات پر عمل کی سعادت نصیب ہوجائے گی۔ آج کل ہر طرف ظلم، خیانت، چوری، ڈاکہ زنی، بدکاری، چور بازاری، سودخواری، بدعہدی، بددیانتی، غیبت، چغلی، تہمت، گالیاں، قتل وخونریزی وغیرہ ہزاروں خرابیاں مسلم معاشرہ میں داخل ہوکر پوری قومِ مسلم کی ایذارسانی کا باعث بنی ہوئی ہیں جس سے ملت اسلامیہ کا نظام عمل اس طرح تہس نہس ہوکر تباہ وبرباد ہوگیا ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو مسلمانوں ہی سے دکھ اور تکلیف نہ پا رہا ہو اور کوئی مسلمان ایسا

نہیں ہے جو حقوق العباد کے مواخذوں میں گرفتار نہ ہو۔ اگر اس فرمان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمان اپنے لئے حرز جان اور اپنے اعمال وافعال کا رہنما نشان بنا لیں تو بخدا یہ ایک ہی حدیث پوری ملت اسلامیہ کے امن وچین کی ضامن ہے۔ کیونکہ جب ہر مسلمان اپنی زندگی کا یہ دستور بنا لے گا کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ میری کسی حرکت سے کسی مسلمان کو کوئی نقصان اور دکھ درد نہ پہنچے تو ظاہر ہے کہ مسلم معاشرہ امن وامان اور راحت وعافیت کا گہوارہ بن جائے گا، نہ تھانہ پولیس کی ضرورت رہے گی نہ کچہریوں میں دادرسی اور فریادرسی کی کوئی حاجت باقی رہے گی۔ مگر کس قدر افسوسناک سانحہ ہے کہ مسلمان اپنی قومی بیماریوں کا علاج حکومت کے ایوانوں اور کفار ومشرکین کے قوانین، سیاسی پارٹیوں کے دفتروں یا کمیونزم وسوشلزم کے دارُ الامراض میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور مدینہ والے ''دارالشفاء'' کے ان تیر بہدف نسخوں اور تریاقوں کو ایسے بھولے بیٹھے ہیں کہ کبھی بھول کر بھی ان کو یاد نہیں کرتے حالانکہ خدا کی قسم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی وہ ذات گرامی ہے جس کے بارے میں پورے عزم ویقین اور وثوق واعتماد کے ساتھ بہ بانگِ دُہل یہ کہا جا سکتا ہے کہ ؎

وہ حاذق جس کا تنہا نسخہ تنزیل فرقانی　　دوائے جملہ علتہائے جسمانی و روحانی

مومنِ کامل

حدیث: ۵

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔ (1) (بخاری، ج۱، کتاب الایمان، ص۶)

(1)……صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان...الخ، الحدیث:۱۳، ج۱، ص۱۶

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن (کامل) نہیں ہوگا جب تک کہ اپنے بھائی (مومن) کے لئے وہی چیز نہ پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

حضرت انس بن مالک: اس حدیث کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی جلیل القدر اور صاحبِ فضیلت صحابی ہیں، ان کی کنیت ''ابوحمزہ'' ہے اور یہ مدینہ منورہ کے باشندہ انصاری ہیں۔ دس برس کی عمر سے بارگاہِ نبوت میں خادمِ خاص کی حیثیت سے رہے اور دس برس تک مسلسل سفر وحضر میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے خوش ہوکر ان کے لئے عمر، مال، اولاد میں برکت کی دعا فرمائی۔ اسی کا مبارک اثر تھا کہ ان کا باغ سال میں دومرتبہ پھلتا تھا اور باغ کے تمام پھلوں میں مشک کی خوشبو آتی تھی۔ چند بیویوں اور باندیوں کے شکم سے ان کے ایک سو بیٹے ہوئے۔ سو برس کی عمر پائی۔ ۹۳ھ میں ''بصرہ'' کے اندر آپ کی وفات ہوئی۔ مشہور باکرامت محدث حضرت محمد بن سِیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو غسل دیا اور بصرہ میں حَجّاج بن یوسف گورنر کے محل کے قریب میں آپ مدفون ہوئے۔

آپ سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ صرف ''صحاح ستہ'' میں دو ہزار دوسو چھیاسی حدیثیں آپ کی روایت کی ہوئی مذکور ہیں اور بخاری شریف میں آپ کی مَروِیّات کی تعداد دوسو اکیاون ہے۔ (فیوض الباری، ج۱، ص۱۲۴) مگر علامہ قسطلانی نے تحریر فرمایا ہے کہ بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی ہوئی دوسو اڑسٹھ حدیثیں ہیں۔(1) (ارشاد الساری، ج۱، ص۲۱۸) واللہ تعالیٰ اعلم۔

1......ارشادالساری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب...الخ، تحت الحدیث:۱۳، ج۱، ص۱۶۲
وفیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ...الخ، ج۱، ص۱۸۷
وعمدۃ القاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب...الخ، تحت الحدیث۱۳، ج۱، ص۲۱۷

شرحِ حدیث: یہ حدیث درحقیقت اس سے پہلے والی حدیث کا تَتِمَّہ اور تَکْمِلہ ہے اور سلسلۂ حقوقُ العِباد کی دوسری کڑی ہے۔ پہلی کڑی تو یہ تھی کہ ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کا یہ دستور بنالے کہ میری ذات سے کسی مسلمان کو کسی طرح کوئی ایذا نہ پہنچے اور دوسری کڑی یہ ہے کہ مسلمان اس زریں اصول کو اپنا ضابطہ حیات بنالے کہ جو کچھ اور جیسے سلوک و معاملات کو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسرے مسلمان کے لئے بھی پسند کرے۔ مثلاً ہر شخص اپنی ذات کے لئے یہ پسند کرتا ہے کہ کوئی مجھ کو نقصان نہ پہنچائے، کوئی میری بے آبروئی نہ کرے، کوئی میرے ساتھ بدسلوکی اور بد معاملگی نہ کرے، کوئی مجھے دھوکہ اور فریب نہ دے، کوئی مجھ کو اور میرے رشتہ داروں اور محبت والوں کو نہ ستائے، یوں ہی ہر شخص اپنے لئے یہ پسند کرتا ہے کہ مجھے عزت و آبرو، مال و دولت اور تَنْدُرُستی و سلامتی ملے، میری ہر چیز اچھی ہو، میری زندگی اچھی گزرے، مجھے ہر طرح کا آرام و راحت ملے وغیرہ وغیرہ۔

اب اس حدیث کی روشنی میں ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنی ذات کے لئے جو کچھ اور جن جن چیزوں کو پسند کرتا ہے وہی ہر مسلمان کے لئے بھی پسند کرے اور ظاہر ہے کہ جب کوئی مسلمان اس طرزِ فکر اور اس طریقہ کو اپنی زندگی کا دَستورِ حیات بنالے گا تو پھر وہ کسی مسلمان کی کبھی بھی کوئی حق تلفی نہیں کرے گا اور وہ حرص و حسد، بغض و کینہ، نِفاق و شِقاق، جنگ و جِدال، کُشت و قتال وغیرہ تمام اخلاقِ رَذِیلہ سے آئینہ کی طرح صاف شفاف ہوجائے گا اور مسلم معاشرہ آرام و راحت اور امن و چین کی ایک جنت بن کر ساری دنیا کے لئے باعث کشش اور تمام اقوامِ عالم کے لئے جاذبِ نظر بن جائے گا اور امن کی متلاشی اور سکون و اطمینان کی بھوکی پیاسی دنیا کو اسلامی معاشرہ

کے دامن رحمت میں پناہ ملے گی اور پھر ہم مسلمان اس منزل میں ہوں گے کہ علی الاعلان ساری دنیا میں یہ اعلان نشر کرسکیں گے کہ۔

کہہ دو یہ ایٹم و سائنس کے متوالوں سے　　تھام لو دامنِ حق، اب بھی سنبھل جاؤ گے
گر کیا تم نے محمد ﷺ کی اطاعت سے گریز　　اپنی بھڑکائی ہوئی آگ میں جل جاؤ گے

فوائد و مسائل: ﴿۱﴾ اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی، نسائی نے اپنی اپنی کتابوں کے کتاب الایمان میں نقل فرمایا ہے۔

﴿۲﴾ اس حدیث میں "لَا یُؤْمِنُ" کا لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک کوئی مومن ہوگا ہی نہیں جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے مگر اس بات پر تمام شارحینِ حدیث کا اِتّفاق ہے کہ اس حدیث میں لفظ "کاملاً" یا اس کا ہم معنی کوئی لفظ پوشیدہ ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک کوئی کامل و مکمل مسلمان نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے وہی سب کچھ نہ پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

اس حدیث میں لفظ "کاملاً" پوشیدہ ماننا ضروری ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر کسی مسلمان میں یہ وصف نہ پایا جائے تو ہرگز ہرگز وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوسکتا اس خوبی کے نہ رہنے کی صورت میں بھی اگر کوئی شخص تمام ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہے تو وہ مسلمان ہی کہلائے گا یہ اور بات ہے کہ اس کے اسلام کی خوبیوں میں کچھ نقصان رہے گا اور وہ حسنِ اسلام کے کمال سے محروم رہے گا لہٰذا کامل و مکمل درجے کا مسلمان نہیں کہلائے گا۔

ایک ضروری اِنتباہ: یہاں ایک بات خصوصاً حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کے

لئے بہت ہی خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اکثر حدیثوں میں کسی ایک کام کو اسلام کا نشان قرار دے دیا گیا ہے مثلاً ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''مسلمان وہ ہے کہ تمام مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے سلامت رہیں'' اور ایک حدیث میں یہ وارد ہوا کہ ''بہترین اسلام اس شخص کا ہے جو کھانا کھلائے اور سلام عام کرے۔'' تو ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس مسلمان میں ایذا سے بچنے یا کھانا کھلانے یا سلام کرنے کی صفت پائی گئی وہ صرف ایک صفت کی وجہ سے مسلمان کامل ہو گیا اگرچہ وہ دوسرے اعمال وارکانِ اسلام کی پابندی نہ کرتا ہو۔ اسی طرح ان حدیثوں کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بس یہی ایک اسلامی کام ضروری ہے اور باقی دوسرے اعمال اسلام غیر ضروری ہیں معاذ اللہ! ان حدیثوں کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کسی ایک کام کو خاص طور پر نشان اسلام اور علامت ایمان فرما دینے سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس عمل کی کسی خاص اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت ظاہر فرمانا چاہتے ہیں مثلاً حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک حدیث میں یہ فرمایا: ''لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ'' نہیں ہے کوئی نماز مگر حضورِ قلب سے، تو اس حدیث کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ بس حضورِ قلب ہی نماز کے درست ہونے کیلئے سب کچھ ہے، شرائط اور ارکان نماز کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نماز میں حضور قلب کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور حالت نماز میں دل کی حضوری ایک بہت ہی اہم صفت ہے۔

اسی طرح وہ حدیثیں جن میں چند خاص خاص گناہوں کے متعلق یہ فرمایا گیا

کہ جو اِن گناہوں کو کرے وہ مومن نہیں یا خاص خاص اعمال صالحہ کے بارے میں یہ ارشاد ہوا کہ جو شخص ان اعمال کو چھوڑ دے وہ مومن نہیں، تو خوب سمجھ لیجئے کہ ان حدیثوں کا ہرگز ہرگز یہ منشا اور مقصد نہیں ہے کہ وہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو کر کافر ہو گیا بلکہ ان سب حدیثوں کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ ان گناہوں کا کرنے والا اور ان اعمال صالحہ کا چھوڑنے والا کامل درجے کا مسلمان نہیں ہے اور ایک مومن کامل کے اعلیٰ درجات اور بلند مقام سے محروم ہے۔

یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ان حدیثوں کا مقصد قانون شرعی بیان کرنا یا کفر کا فتوی دینا نہیں ہے بلکہ ان حدیثوں کا مقصد بُرے کاموں کی برائیوں کو بہت شدید بتا کر شدت کے ساتھ اس سے مسلمانوں کو روکنا اور اچھے کاموں کی اچھائی کو بہت زیادہ بتا کر اس کام پر مسلمانوں کو رغبت دلانا ہے۔

درحقیقت کلامِ نبوت کے طرز خطاب کی خصوصیات سے ناواقِفیّت اور ان حدیثوں کے اصل مفہوم سے بے خبری ہی کا نتیجہ ہے کہ فرقۂ مُعتَزِلہ اور خَوارِج نے ان حدیثوں کے ظاہری معنی مراد لے کر گناہگار مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ دے دیا اور خود گمراہی کے انتہائی گہرے غار میں گر پڑے۔ اسی طرح اس زمانے کے بعض جاہل مبلغ جو حدیثوں کا صرف ترجمہ پڑھ پڑھ کر تبلیغ کرنے لگے ہیں وہ بھی اپنی جہالت سے ان حدیثوں کا یہی مطلب بتاتے پھرتے ہیں مثلاً ''تارک نماز مسلمان ہی نہیں''، ''جس میں عہد و امانت کی پابندی نہ ہو وہ مسلمان ہی نہیں'' حالانکہ حدیث کا یہ مطلب بالکل ہی غلط ہے کیونکہ تارک نماز یقیناً مسلمان ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ کامل درجے کا مسلمان نہیں۔ اسی طرح عہد و امانت کی پابندی نہ کرنے والا اگرچہ گناہگار

ہے مگر بلا شبہ وہ مسلمان ہے۔

بہرکیف علماء اہلسنت کا فرض ہے کہ وہ جب اس قسم کی حدیثوں کو بیان فرمائیں تو ان کی حقیقی پوزیشن کو تفصیل کے ساتھ ضرور واضح کر دیں تا کہ خالیُ الذہن عوام گمراہی کا شکار نہ ہوں اور عوام کا فرض ہے کہ وہ جاہل مبلغوں کو ہرگز ہرگز منبر رسول پر آنے نہ دیں اور کبھی بھی ان کا وعظ نہ سنیں ورنہ بہت بڑا خطرہ ہے کہ ان جاہلوں کی زبان سے حدیثوں کا غلط مطلب سن کر کہیں سامعین کا عقیدہ خراب اور ان کا ایمان برباد نہ ہو جائے۔ والمولیٰ تعالیٰ ھو الموفق! ؎

من آنچہ شرط ابلاغ است با تو می گویم   تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

علاماتِ نفاق

حدیث:٦

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِیْهِ كَانَ مُنَافِقًا خالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (1) (بخاری، ج۱، باب علامۃ المنافق، ص۱۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں یہ چار باتیں ہوں گی وہ خالص مُنافِق ہے اور جس شخص میں ان چار باتوں میں سے ایک بات ہوگی اس میں نِفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے۔ ﴿۱﴾ جب امین بنایا جائے تو

(1) ......صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب علامة المنافق، الحدیث: ٣٤، ج ١، ص ٢٥

خیانت کرے ﴿۲﴾ جب بات کرے تو جھوٹ بولے ﴿۳﴾ اور جب کسی سے کوئی عہد کرے تو عہد شِکنی کرے ﴿٤﴾ اور جب جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو: اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ خاندان قریش کی شاخ ''بنی سَہم'' سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے سہمی قریشی کہلاتے ہیں بہت ہی صاحب مرتبہ صحابی ہیں عالم، حافظِ قرآن، بہت بڑے عابد وزاہد تھے۔ اپنے باپ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ایمان لائے اور ہجرت بھی کی، راتوں کو خوف الٰہی سے روتے روتے ان کی آنکھوں میں آشوبِ چشم ہو گیا تھا جس کے لئے ان کی والدہ سُرمہ بنایا کرتی تھیں۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیثوں کو لکھنے کی اجازت طلب کی تھی تو حالانکہ عام طور پر حضور نے لوگوں کو حدیثیں لکھنے سے منع فرمایا تھا اور صرف قرآن کے لکھنے کا حکم دیا تھا تاکہ قرآن وحدیث میں خَلط مَلط نہ ہونے پائے مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حدیثیں لکھنے کی اجازت عطا فرمادی تھی کیونکہ ان کی احتیاط پر حضور کو پورا پورا اعتماد تھا کہ یہ آیتوں اور حدیثوں کو خَلط مَلط نہیں ہونے دیں گے۔ علم حدیث میں ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ اتنے نامُور اور مشہور صحابی کی تاریخ وفات اور ان کی قبر شریف کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ۶۳ھ میں بعض کا قول ہے کہ ۳۷ھ میں مکہ مکرمہ کے اندر آپ کا وصال ہوا اور بعض نے کہا کہ ۵۵ھ میں طائف کے اندر آپ کی وفات ہوئی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ مصر میں ۶۵ھ کے سال آپ کا انتقال ہوا۔(1) واللہ تعالیٰ اعلم۔ (اکمال وارشاد الساری، ج۱، ص۲۵۱)

---

(1)......اکمال فی اسماء الرجال، حرف العین، فصل فی الصحابۃ، ص ٦٠٥

شرحِ حدیث: منافق کی دو قسمیں ہیں: ﴿۱﴾ منافقِ اِعتِقادی ﴿۲﴾ منافقِ عملی۔

منافقِ اِعتِقادی وہ ہے کہ زبان سے تو اسلام کا اِظہار کرتا ہو مگر اپنے دل میں کفر چھپائے ہوئے ہو جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں عبداللہ بن اُبی وغیرہ منافقوں کی ایک جماعت تھی کہ یہ لوگ بظاہر کلمہ پڑھتے تھے، روزہ ونماز اور حج و زکوۃ کے بھی پابند تھے مگر دل سے اسلام کے منکر تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے ایمان و عقیدہ میں ہی نفاق تھا۔ منافق اعتقادی کافر ہے بلکہ کافر سے بھی بدتر ہے۔ قرآن کریم کا فرمان ہے کہ

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (1) یعنی منافق اعتقادی کو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ڈال دیا جائے گا۔

منافقِ عملی وہ ہے کہ جس کے ایمان وعقائد میں کوئی خرابی ونفاق نہیں ہوتا بلکہ وہ ظاہر وباطن میں مسلمان ہوتا ہے لیکن اس کے بعض اعمال اور خصلتیں منافقوں سے ملتی جلتی ہیں۔

اس حدیث میں جس منافق کی چار خصلتوں کا ذکر ہے اس منافق سے مُراد منافق عملی ہے اور چاروں منافقانہ خصلتوں سے مُراد منافقانہ اعمال و کردار ہیں اور وہ چاروں خصلتیں یہ ہیں: ﴿۱﴾ جب اس کو کوئی امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت کرے ﴿۲﴾ جب بات کرے تو جھوٹ بولے ﴿۳﴾ جب کسی سے کوئی عہد کرے تو دغا کرے ﴿۴﴾ جب کسی سے کسی معاملہ میں جھگڑے تو گالی دے۔

بلاشبہ یہ چاروں خصلتیں ہرگز ہرگز مومن کی خصلتیں نہیں ہیں بلکہ یہ منافقوں

......ترجمۂ کنزالایمان: بیشک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں۔ (پ۵، النسآء: ۱۴۵)

کی خصلتیں ہیں اور گناہ کبیرہ ہیں لہٰذا جس طرح ایک مسلمان کو کفر و شرک اور تمام گناہ کبیرہ سے بچنا ضروری ہے اسی طرح ایک مسلمان کو ضروری ہے کہ منافقوں کے خصائل اور منافقانہ اعمال و کردار کی گندگی اور پلیدی سے بھی جو یقیناً رذائل ہیں اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

فوائد و مسائل: ﴿۱﴾ اس بات پر تمام علماءِ امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ یہ چاروں خصلتیں اگرچہ منافقوں کے خصائل اور نفاق کی علامتیں ہیں مگر اس کے باوجود اگر کسی صادق الایمان مسلمان میں یہ چاروں خصلتیں پائی جائیں تو اس کے بارے میں یہ کہنا تو درست ہے کہ اس شخص میں منافقوں کی عادتیں اور علامتیں پائی جاتی ہیں لیکن یہ ہرگز ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ یہ شخص منافق ہوگیا، کیوں! اس لئے کہ کسی شخص میں منافق کی عادت وعلامت کا پایا جانا اور بات ہے اور اس شخص کا منافق ہوجانا یہ اور بات ہے۔

اسکی مثال یوں سمجھئے کہ ایک سید کا بچہ آ کر کھیت میں سے گنا چرا کر اور خاک دھول میں لوٹ پوٹ اور کیچڑ میں لت پت ہوکر آیا اور اس کے باپ نے اس کو ڈانٹتے ہوئے یہ کہا کہ تیرے اندر تو چَماروں کی خصلتیں اور عادتیں پائی جارہی ہیں۔ تو چماروں کی خصلتیں بچے میں پائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ''سید'' کا بچہ ''چَمار'' ہوگیا۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان میں منافقوں کی عادتیں پائی گئیں تو اُس سے اس مسلمان کا منافق ہونا لازم نہیں آتا۔

﴿۲﴾ بعض شُرَّاحِ حدیث کا قول ہے کہ یہ ارشاد نبوی ان منافقوں کے بارے میں ہے جو زمانہ نبوت میں تھے جو سب کے سب منافق اعتقادی بھی تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ نے فرمایا کہ ہم لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا کہ میں نے جو یہ چاروں خصائل بیان کئے ہیں وہ ان منافقوں کے بارے میں ہیں جن کے بارے میں اِذَا جَآءَ کَ الْمُنٰفِقُوْنَ (1) کی سورہ نازل ہوئی ہے۔ کیا ان لوگوں کی جو حالت ہے وہی تمہاری بھی ہے؟ تو ہم لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں تو ارشاد فرمایا کہ یہ حدیث تمہارے متعلق نہیں ہے تم اس سے بری ہو۔(2) (عینی، ج۱،ص۲۵۹)

مذکورہ بالا روایت کی بناء پر حدیث مذکور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے زمانے کے منافقوں کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ ان لوگوں میں خیانت، جھوٹ، دغا، بدزبانی کی بُری عادتیں اور گندی خصلتیں ہیں۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چاروں عادتیں بد سے بدتر خصلتیں ہیں لہٰذا ان گندی عادتوں سے ہر مسلمان کو بچنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ ایک مومن کے اندر منافقوں کی علامتوں اور نشانیوں کا پایا جانا اس کے دامن ایمان پر اتنا گندہ اور گِھناؤنا دھبّہ ہے کہ بغیر توبہ وترک کے ساتوں سمندر بھی اس کو دھو نہیں سکتے۔

اب ان چاروں علاماتِ نفاق کی کچھ تفصیل بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

امانت میں خیانت: پہلی علامت نفاق امانت میں خیانت کرنی ہے یادرکھئے کہ امانت ہر وہ چیز ہے جو کسی کی طرف سے کسی کو بغرض حفاظت سونپی جائے۔ امین امانت رکھنے والے کی اجازت کے بغیر اور اس کے مَنْشا کے خلاف امانت میں جو تَصَرُّف بھی کرے گا وہ خیانت کہلائے گی۔

اس سلسلے میں یہ بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے کہ امانت صرف روپے پیسے یا سامانوں

......ترجمۂ کنزالایمان: جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں۔(پ۲۸،المنافقون:۱)

......عمدة القاری، کتاب الایمان،باب علامات المنافق، تحت الحدیث:۳۳،ج۱،ص۳۳۰ملخصاً

ہی کی نہیں ہوا کرتی بلکہ بات، راز، ذمہ داری وغیرہ بھی امانت ہیں مثلاً آپ سے کسی نے کوئی راز کی بات کہہ دی اور آپ سے اُس نے یہ بھی کہہ دیا کہ خبردار! یہ بات امانت ہے آپ اس کو کسی سے ذکر نہ کریں تو یہ بات بھی امانت ہوگئی اور آپ اس کے امین ہو گئے۔ اگر آپ نے اس بات کو کسی سے کہہ دیا تو آپ نے امانت میں خیانت کی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مال، عقل، اختیار، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ جسمانی اعضاء اور قسم قسم کی طاقتیں سونپ کر حکم دیا ہے کہ میری ان امانتوں کو میرے حکم کے مطابق استعمال کرنا تو ان سب امانتوں میں بھی اگر خداوندی حقوق کو نہیں ادا کیا ہے تو یہ بھی خیانت ہی کہلائے گی۔

اسی لئے قرآن مجید میں ربُّ العالمین کا فرمان ہے کہ

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (1)

یعنی کان، آنکھ، دل ہر چیز کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی کہ خدا کی ان امانتوں میں کوئی خیانت تو نہیں ہوئی۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ "اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ" (2) یعنی جس شخص سے کوئی مشورہ لیا جائے وہ اَمین ہو جاتا ہے۔ اگر اس نے جان بوجھ کر غلط مشورہ دیا تو وہ خیانت کرنے والا کہلائے گا۔

غرض "خیانت" کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ تمام حقداروں کے حقوق بھی امانت ہیں، کسی حقدار کا حق نہ ادا کرنا بھی امانت میں خیانت ہے، بسترِ جماع پر میاں بیوی کی

......ترجمۂ کنزالایمان: بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے۔ (پ۱۵، بنی اسرائیل:۳۶)

......سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء ان المستشار مؤتمن، الحدیث: ۲۸۳۱، ج۴، ص۳۷۵

گفتگو اور معاملات یہ بھی امانت ہیں اور میاں بیوی ایک دوسرے کے امین ہیں اگر کسی نے اس راز کو فاش کر دیا تو یہ بھی امانت میں خیانت کہلائے گی، ملازم اپنی ڈیوٹی کا، حاکم رعیت کے ساتھ اپنے فرائض کا امین ہے۔ اگر ملازم نے اپنی ڈیوٹی پوری نہیں کی یا حاکم نے ظلم کیا تو یہ بھی امانت میں خیانت ہے۔ غرض امانت میں خیانت کی بہت سی صورتیں ہیں اور ہر قسم کی امانت میں خیانت حرام و گناہ ہے۔ قرآن کریم میں غفور رحیم کا ارشاد ہے کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ (1)

یعنی اے ایمان والو! تم اللہ و رسول کے ساتھ خیانت مت کرو اور اپنے آپ کی امانتوں میں بھی خیانت مت کرو اور تم جانتے ہو۔

جھوٹ: یہ بہت ہی ملعون عادت، سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید میں اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۝ (2) کہیں مشرکوں کی صفت بتائی گئی، کہیں کافروں کی، کہیں منافقوں کی، کہیں فاسقوں کی۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ ”تم لوگ اپنے کو جھوٹ سے بچائے رکھو اس لئے کہ جھوٹ بدکاری کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور بدکاری جہنم میں کھینچ کر لے جاتی ہے اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کا مُتلاشی رہتا ہے یہاں تک کہ دفترِ خداوندی میں وہ ”کَذَّاب“ لکھ دیا جاتا ہے۔“ (3) (مشکوٰۃ، باب حفظ اللسان)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا

---

(1) ...... ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو اللہ و رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت۔ (پ۹، الانفال:۲۷)

(2) ...... ترجمۂ کنز الایمان: وہی جھوٹے ہیں۔ (پ۱۴، النحل:۱۰۵)

(3) ...... مشکاة المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان...الخ، الحدیث:۴۸۲۴، ج۲، ص۱۹۱

کہ کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ''ہاں'' پھر اس نے عرض کیا کہ مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ''ہاں'' پھر اُس نے دریافت کیا کہ کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ ''نہیں''۔(1) (مشکوٰۃ، باب حفظ اللسان)

عہد شِکنی: کسی سے کوئی معاہدہ یا وعدہ کر کے بلا کسی عذر شرعی کے اس معاہدہ اور وعدہ سے پھر جانا یہ عہد شِکنی اور دغا بازی ہے جو شرعاً حرام و گناہ ہے۔

قرآن مجید میں حق جَلَّ مَجْدُہٗ کا فرمان ہے کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ(2)	یعنی اے ایمان والو اپنے عہدوں اور وعدوں کو پورا کرو۔

واضح رہے کہ جس طرح کسی مخلوق سے عہد شکنی حرام و گناہ ہے اسی طرح اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ سے بھی عہد شِکنی و بدعہدی اس سے کہیں بڑھ کر حرام و گناہ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان سے اپنی توحید کے اقرار کا عہد لیا ہے اور علماءِ کرام سے خصوصی طور پر یہ عہد لیا ہے کہ وہ کبھی بھی اور کسی حال میں بھی حق کو نہ چھپائیں اس لئے جو مسلمان یا علمائے کرام اپنی کسی دنیاوی مَصْلَحَت کی بناء پر مشرکین کی خوشنودی کے لئے شرک کے کام کر بیٹھتے ہیں یا کلمۂ حق کو چھپاتے یا اس کو بیان کرنے سے سکوت کرتے ہیں وہ بھی عہد شِکنی اور خدا کے ساتھ دغا کرنے کے مجرم ہیں۔

گالی: گالی گلوچ اور بدگوئی و بدزبانی خصوصاً اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ انتہائی قبیح خَصلت اور نہایت ہی مَعیوب اور گِھناؤنی عادت ہے۔ گالی گلوچ تو کُجا کسی مسلمان

(1)......مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان...الخ، الحديث: ٤٨٦٢، ج٢، ص١٩٦

(2)...... ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو اپنے قول پورے کرو۔ (پ٦، المائدۃ: ١)

سے اس طرح کی ہنسی مذاق کرنا جس سے اس کی دل آزاری ہو یا کسی مسلمان کو ایسے القاب سے یاد کرنا جس سے اس کو ایذا پہنچتی ہو خداوندِ عالَم نے قرآن مجید میں اس کو حرام قرار دیا ہے۔ سورۂ حُجرات کی اس آیت کو نگاہِ عبرت سے دیکھئے اور منافقانہ سیرتوں اور فاسقانہ عادتوں سے توبہ کیجئے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ	اے ایمان والو! نہ مرد مردوں کا مذاق اڑائیں
قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا	عجب نہیں کہ وہ ہنسی اڑانے والوں سے بہتر
خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ	ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے ہنسی ٹھٹھا کریں
عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا	ہوسکتا ہے کہ ان ہنسنے والیوں سے وہ بہتر ہوں
تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا	اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ مت مارو
بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ	اور نہ ایک دوسرے کے بُرے نام رکھو کیا
بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ	ہی بُرا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا اور
فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ (1)	جو توبہ نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں۔

عبرت: اللہ اکبر! جب کسی مومن سے اس قسم کا مذاق بھی جائز نہیں ہے جس سے اُس کی دل آزاری ہوتی ہو اور نہ کسی مومن کو ایسے بُرے القاب سے پکارنا جائز ہے جس میں اس کی اہانت کا پہلو ہو تو پھر بھلا کسی مومن کو گالیاں دینا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ (2) یعنی کسی

......ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو نہ مَرد مَردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، دور نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں اور آپس میں طعنہ نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔ (پ٢٦، الحجرات: ١١)

......مشکاۃالمصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان...الخ، الحدیث: ٤٨١٤، ج٢، ص١٩٠

مسلمان سے گالی گلوچ کرنا فِسق ہے اور کسی مسلمان سے جنگ کرنا یہ کافروں کا کام ہے۔ بہر حال کسی مسلمان کو گالیاں دے کر یا اس کے سامنے بیہودہ الفاظ زبان سے نکال کر ایذا دینا، یہ منافقوں کی خصلت اور منافقوں کا طریقہ ہے۔ گالی دینا، بیہودہ بکنا، فُحش کلامی کرنا، ہرگز ہرگز مومن کا کام اور مومن کی خصلت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مُشتَبَہ چیزوں سے بچو

حدیث:۷

عَنْ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَ عِرْضِهٖ وَمَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يُّوَاقِعَهٗ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا اِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (1)

(بخاری، ج۱، باب فضل من استبرألدینہ، ص۱۳)

ترجمہ: عامر (شعبی) سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مُشتَبَہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے تو جو کوئی شبہ کی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا تو اس

(1)......صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ، الحدیث: ۵۲، ج۱، ص۳۳

کی مثال اس چرواہے کی ہے جو بادشاہ کی محفوظ چراگاہ کے آس پاس اپنے جانوروں کو چرائے تو ہوسکتا ہے کہ وہ جانور شاہی چراگاہ میں داخل ہوجائیں۔سُن لو! ہر بادشاہ کی ایک ''حمی'' (محفوظ ومخصوص چراگاہ) ہوتی ہے اور اللہ عزوجل کی ''حمی'' اس کی زمین میں وہ چیزیں ہیں جن کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے۔خبردار! بدن میں ایک گوشت کی بوٹی ایسی ہے کہ اگر وہ درست ہے تو سارا بدن درست ہے اور اگر وہ فاسد ہوگئی تو سارا بدن بگڑ گیا سن لو! وہ دل ہے۔

حضرت نعمان بن بَشِیر: اس حدیث کے راوی نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ مشہور صحابی ہیں۔ان کے والدین بھی صحابی ہیں ہجرت کے بعد قبیلہ انصار میں جو سب سے پہلا بچہ پیدا ہوا وہ آپ ہی ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ برس سات ماہ کی تھی۔حضرت امیر مُعاوِیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دور حکومت میں آپ کوفہ کے گورنر تھے۔آپ سے کل ایک سو چودہ حدیثیں مروی ہیں۔ ۶۴ھ یا ۶۵ھ میں شہرِ حِمص کے اندر آپ کی شہادت ہوئی صحابہ کرام میں تقریباً تیس آدمیوں کا نام ''نعمان'' ہے مگر نعمان بن بشیر یہی ایک ہیں۔(1)

(اکمال وفیوض الباری، ج۱،ص۲۰۲)

شرحِ حدیث: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کون کون سی چیزیں حلال ہیں اور کون کون سی چیزیں حرام ہیں یہ تو بالکل واضح اور ظاہر ہے اور اس کو ہر عالم جانتا ہے کہ قرآن وحدیث نے جن جن چیزوں کو حلال قرار دیا وہ حلال ہیں جیسے پانی، گیہوں، چاول، میوہ وغیرہ اور جن جن چیزوں کو حرام ٹھہرادیا وہ حرام ہیں جیسے شراب، مردار،

......اکمال فی اسماء الرجال، حرف النون، فصل فی الصحابۃ، ص ۶۲۰
وفیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ، ج ۱، ص ۲۷۷

خنزیر وغیرہ لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا حلال یا حرام ہونا مُشتَبَہ ہے اور دلائل میں تعارض ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ اس کے حلال یا حرام ہونے کو نہیں جانتے۔ لہٰذا جو شخص حرام کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ان مُشتَبَہ چیزوں کو بھی چھوڑ دے گا اس کا دین محفوظ اور اس کی آبرو سلامت رہے گی۔ اور جو شخص مُشتَبَہ چیزوں سے پرہیز نہیں کرے گا وہ کبھی نہ کبھی حرام میں بھی ضرور مبتلا ہو جائے گا۔ اس شخص کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی چرواہا اگر اپنے جانوروں کو بادشاہ کی مخصوص چراگاہ کے اردگرد چرائے گا تو کبھی نہ کبھی اس کے جانور بادشاہ کی محفوظ چراگاہ میں بھی ضرور داخل ہو جائیں گے اور یہ چرواہا غضب سلطانی کی سزا میں گرفتار ہو جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ ایک مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ جس طرح ہر بادشاہ کی ایک محفوظ و مخصوص چراگاہ ہوتی ہے جس میں کسی جانور کو چرانے کی اجازت نہیں ہوتی اور اس کو ''حمیٰ'' کہتے ہیں اسی طرح بادشاہوں کے بادشاہ اللہ تعالیٰ نے بھی کچھ چیزوں کو حرام ٹھہرا کر ہر شخص کو منع فرما دیا ہے کہ خبردار کوئی اس کے قریب نہ جائے۔ تو یہ حرام چیزیں گویا اللہ تعالیٰ کی ''حمیٰ'' ہیں کہ جس طرح بادشاہوں کی حمیٰ میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کے پاس کسی کو پھٹکنے کی اجازت نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کو حرام اور مُشتَبَہ دونوں قسم کی چیزوں سے بچنا اور پرہیز کرنا ضروری ہے۔

پھر آگے ارشاد فرمایا کہ انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ایسا ہے کہ وہ اگرچہ ایک چھوٹی سی گوشت کی بوٹی ہے مگر اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر وہ درست اور ٹھیک ہے تو سارا بدن درست اور ٹھیک رہے گا اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ جائے گا

اس لئے کہ ہر اچھا یا بُرا خیال اور جذبہ اسی دل ہی میں پیدا ہوتا ہے اور بدن کا ہر ایک عُضْو اسی دِلی خیالات و جذبات کے مطابق ہی اپنے اپنے عمل میں مَشْغول ہوا کرتا ہے تو دل گویا تمام اعضاءِ بدن کا حاکم بلکہ بادشاہ ہے۔ لہٰذا اگر دل میں نیکی کا جذبہ اور خیال پیدا ہوا تو بدن کا ہر ہر عُضْو اور جوڑ جوڑ نیکی کے اعمال میں مَشْغول ہو جائے گا اور اگر دل میں بدی کا خیال اور جذبہ ہوا تو پھر بدن کا ایک ایک عُضْو اور جسم کی ایک ایک بوٹی بدی اور گناہ کی حرکتوں میں مصروفِ عمل ہو جائے گی تو پتہ چلا کہ پورے بدن کی اصلاح و فساد کا دارو مدار قلب پر ہی ہے۔ اسی لئے تمام علماءِ شریعت وارباب طریقت کا اس حقیقت پر اجماع و اِتّفاق ہے کہ قلب اشرفُ الاعضاء بلکہ پورے بدن کا بادشاہ ہے لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلب کی اصلاح کرے۔

اور درحقیقت تمام عقائدِ اِسلامیہ اور صوفیاءِ کرام کے اَذکار و مُراقَبات اسی دل ہی کی اصلاح کے لئے ہیں اور جس دل کی اصلاح ہو گئی اور وہ ''قلبِ سلیم'' کہلانے کا مستحق ہو گیا تو اس کو اگر ''عرشِ الٰہی'' کا ہم پایا اور خانہ خدا کا ہم پلہ کہہ دیا جائے تو یہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہو گا جو آفتاب کی طرح عالَم پر آشکار ہے۔ حضرت مولانا آسی علیہ الرحمۃ نے اسی دل کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ؎

بُتِ پندار جب اس میں سے جدا ہوتا ہے　　یہی دل رتبے میں کعبہ سے سوا ہوتا ہے
دل جو ہے خاص گھر اس کا نہ بنایا افسوس　　مسجد و دَیر بنایا کرو کیا ہوتا ہے

اسی طرح کسی دوسرے عارِف نے بھی ''قلبِ مومن'' کی عظمت کا خطبہ پڑھتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

دل کا بھی اک مقام ہے واعظ　　مسجد و خانقاہ سے پہلے!

فوائد و مسائل:﴿۱﴾اس حدیث کو امام بخاری و مسلم و نسائی نے کتابُ البُیُوع میں بھی ذکر کیا ہے اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو کتاب الفِتَن میں تحریر کیا ہے۔

﴿۲﴾علامہ خطّابی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں لا یعلمھا کثیر من الناس کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ اکثر لوگ یعنی عوام تو مُشتَبِہات کے حکم کو نہیں جانتے مگر بعض لوگ یعنی ائمۂ مُجتَہِدین اپنے اِجتِہادِ علمی کی بَصیرت سے دلائل کے تعارض کو چھان بین کر مُشتَبِہات کو خوب اچھی طرح جان پہچان لیتے ہیں کہ وہ حرام ہیں یا حلال۔ "مُشتَبِہات" ان ہی لوگوں کے لئے مُشتَبَہ ہیں جو عوام ہیں اور اِجتِہادی بَصیرت سے مَحروم ہیں۔[1] (عینی، ج۱،ص۳۵۰) لیکن ہاں یہ ممکن ہے کہ مُجتَہِد بھی باوجود دلائل میں انتہائی غور و فکر کرنے کے بعض مُشتَبِہات کے حکم کو نہ پہچان سکے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ کھجور کی نَبِیذ کے متعلق امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرمایا کرتے تھے میں خود اس کو استعمال نہیں کر سکتا لیکن میں اس کے حرام ہونے کا فتوی بھی نہیں دے سکتا۔ حضرت امام کے اس قول کی وجہ یہی ہے کہ آپ کو اس کے حکم کے بارے میں اِشتِباہ تھا اس لئے تقویٰ کا تقاضا یہی تھا کہ مُشتَبَہ چیزوں سے بھی پرہیز کیا جائے۔[2] (فیوض الباری، ج۱،ص۲۰۳)

﴿۳﴾اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جس کے حلال و حرام ہونے میں شبہ ہو اس سے پرہیز ہی کرنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

علماءِ دین

حدیث:۸

قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيْبًا يَقُوْلُ: سَمِعْتُ

---

[1]......عمدة القاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه، تحت الحدیث: ۵۲، ج ۱، ص ۴۴۰ ملخصاً

[2]......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه، ج ۱، ص ۲۷۸، ۲۷۹ ملخصاً

النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ:مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ وَلَنْ تَزَالَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃُ قَائِمَۃً عَلٰی اَمْرِاللّٰہِ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَأتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ (1)(بخاری،ج۱،باب من یرد اللہ،ص۱۶)

ترجمہ:حُمَیْد بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر مُعاوِیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحالت خطبہ یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور اس امت کی ایک جماعت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہے گی،ان کے مخالفین ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے۔

حضرت امیر مُعاوِیہ: اس حدیث کے راویوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہستی قابل ذکر ہے۔آپ سردارِ مکہ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں۔آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ''ہند'' تھا۔ ۸ ھ فتح مکّہ کے سال آپ نے اسلام قبول کیا اور دربار رسالت میں اتنے مُعْتَمَد صحابی قرار پائے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ''کاتِبِ وَحی'' کا عہدہ ان کو عطا فرمایا۔خلافتِ راشدہ کے دور میں شام کے گورنر رہے۔پھر تمام عالم اسلام کے بادشاہ ہوگئے۔رجب ۶۰ ھ میں اٹھتّر برس کی عمر پاکر وفات پائی۔آپ سے ایک سو چھتّیس حدیثیں مروی ہیں۔(2)(فیوض الباری،ج۱،ص۲۲۶)

شرحِ حدیث: اس حدیث کے تین جزو ہیں۔پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

(1)......صحیح البخاری،کتاب العلم،باب من یرد اللہ بہ...الخ،الحدیث:۷۱،ج۱،ص۴۲

(2)......فیوض الباری،پارہ اوّل،کتاب العلم،باب من یرد اللہ بہ...الخ،ج۱،ص۳۰۳
واکمال فی اسماء الرجال،حرف المیم،فصل فی الصحابۃ،ص۶۱۷

جس شخص کو دین میں ''فَقِیہ'' بناتا ہے یعنی اس کو اتنا علم عطا فرماتا ہے کہ وہ اپنی علمی بصیرت سے دین کو ایمانی مَعْرِفت کے ساتھ سمجھنے لگتا ہے تو پھر یہ سمجھ لینا چاہئے بلکہ یقین کر لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے ساتھ بھلائی فرمانے کا ارادہ فرما لیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنے اور خیر عطا فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کا علم اور دین کو سمجھنے کا فہم عطا فرماتا ہے۔

اس حدیث کا دوسرا جُزْو یہ ہے کہ میں خدا کی نعمتوں کو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ نعمتوں کا عطا فرمانے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتوں کی تقسیم میرے سپرد فرمائی ہے اس لئے میرے وسیلہ اور واسطے کے بغیر کسی کو خدا کی کوئی نعمت نہیں مل سکتی۔

اس حدیث کا تیسرا جُزْو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک غیب کی خبر دے رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں ہر دور کے اندر ایک جماعت ایسی ضرور رہے گی جو ہمیشہ اور ہر حال میں دین پر پوری اِسْتِقامت کے ساتھ قائم رہے گی اور اس کے مخالفین لاکھ اس کو نقصان پہنچانا چاہیں مگر ان لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور ہزاروں ظلم وجَور کے باوجود بال برابر بھی اس جماعت کو صراطِ مستقیم سے نہ ہٹا سکیں گے۔

فوائدومسائل: ﴿۱﴾ ''فِقہ'' کے دو معنی آتے ہیں، ایک لغوی، دوسرے اصطلاحی، فقہ کے لغوی معنی ''فہم، علم، سمجھ'' ہیں اور اصطلاحی معنی کی تفصیل یہ ہے کہ احکامِ شریعت کی دو قسمیں ہیں، اول اَحکامِ شَرْعِیَّہ اِعْتِقادِیَّہ یعنی وہ مسائل جن کا تعلق صرف عقائد سے ہے جیسے توحید ورسالت اور قیامت وغیرہ پر ایمان لانا۔ دوم اَحکامِ شَرْعِیَّہ عَمَلِیَّہ یعنی وہ

مسائل جن کا تعلق اعتقاد کے بعد عمل سے بھی ہے جیسے نماز و روزہ اور حج و زکوۃ وغیرہ۔ پہلی قسم یعنی اَحکامِ شَرْعِیَّہ اِعْتِقادِیَّہ کے جاننے کو ''علمِ کلام'' کہتے ہیں اور دوسری قسم یعنی اَحکامِ شَرْعِیَّہ عَمَلِیَّہ کے جاننے کا نام ''علمِ فقہ'' ہے۔ اس حدیث میں فقہ کے لغوی معنی مراد ہیں۔ '' یُفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو دین کا فہم یعنی دین کو سمجھنے کا علم عطا فرماتا ہے۔

﴿۲﴾ اِنَّـمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْ کے دونوں جملوں میں اہل علم کو غور کرنا چاہئے کہ ''قَاسِمٌ اور یُعْطِیْ'' دونوں کا مَفْعول مَحْذوف کیا ہے یعنی رسول کن کن چیزوں کو بانٹتے ہیں اور اللہ کون کون سی چیزیں عطا فرماتا ہے۔ اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ مَفْعول مَحْذوف کیا ہے؟ اس سوال کو حل کرنا ہے تو اس میں تو کوئی شک وشبہ نہیں کہ '' یُعْطِیْ'' کا مفعول یقیناً '' کُلَّ شَیْئٍ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز کا دینے والا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ جو ''یُعْطِیْ'' کا مَفْعول ہوگا وہی ''قَاسِمٌ'' کا مَفْعول ہوگا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس حدیث کا صاف صاف حاصل مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز کا دینے والا ہے اور میں اللہ کی دی ہوئی ہر ہر چیز کا تقسیم کرنے والا ہوں۔

اس لئے معلوم ہوا کہ اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتوں اور دولتوں میں سے کوئی نعمت اور کوئی دولت کسی کو بغیر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ کے نہیں مل سکتی۔ سبحان اللہ

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے حاشا! غلط، غلط، یہ ہَوَس بے بَصَر کی ہے

﴿۳﴾ اس حدیث میں مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا کے جملہ میں لفظ ''خَیْرًا'' نکرہ ہے اور اس کی تَنْکِیر یا تو نوع کے لئے ہے یا تعظیم کے لئے۔ اگر اس تَنْکِیر کو نوع کے لئے مانا جائے تو حدیث شریف کا یہ مطلب ہوگا کہ ''جس شخص کے ساتھ ایک خاص قسم کے خیر اور

بھلائی کا خداوند تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اس کو علم دین عطا فرماتا ہے۔'' اور اگر یہ تنکیر تعظیم کیلئے مانی جائے تو اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیرِ عظیم اور بہت بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُس کو علمِ دین عنایت فرماتا ہے۔

بہر حال اس حدیث سے علماءِ حق کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔اور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان میں علماءِ حق کے لئے بہت بڑی بشارت اور تسکینِ قلب کا سامان بھی ہے اور وہ یہ کہ جب اللہ عزوجل نے علماء دین کے ساتھ ایک خاص قسم کی بھلائی یا بہت بڑی بھلائی کا ارادہ فرمالیا ہے تو پھر کسی انسان یا شیطان کا شر خدا کے خیر پر کبھی بھی اور کہیں بھی غالب نہیں ہوسکتا ہے۔اس لئے ثابت ہوگیا کہ علماء دین کے ساتھ شر اور برائی کا برتاؤ کرنے والا کبھی ہرگز ہرگز فلاح نہیں پاسکتا۔ ؎

علم دیں ہے شمع حق اس کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

لہٰذا علماء کرام کو لازم ہے کہ وہ کبھی بھی احساس کمتری میں نہ مبتلا ہوں اور گریجویٹوں اور دولت مندوں کے سامنے کبھی ہرگز ہرگز مرعوب نہ ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پر نظر رکھیں اور ایک دوسری حدیث بھی ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔خدا کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ

رشک کے قابل فقط دو ہی آدمیوں کی زندگی ہے ایک تو وہ مالدار جو خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے۔دوسرا وہ عالم جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت (علمِ دین) عطا فرمایا اور وہ اس سے فیصلہ کرتا ہے اور دوسروں کو علم سکھاتا ہے۔(1) (مشکوٰۃ، کتاب العلم)

دیکھ لیجئے کہ مالدار سخی اور عالم دین کی زندگی کے سوا کسی امیر، وزیر یا بادشاہ کی

______

(1)......مشكاة المصابيح، كتاب العلم،الفصل الاوّل، الحديث:٢٠٢، ج١، ص٥٩

زندگی کو بھی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قابلِ رشک نہیں فرمایا ہے۔

لٰہذا پتہ چلا کہ علماءِ دین کی مقدس زندگی ساری دنیا کے لئے قابلِ رشک ہے اور جب علماءِ کرام کی زندگی قابل رشک زندگی ہے تو پھر علماء کرام کے لئے احساسِ کمتری کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ علماءِ حق بلاشبہ خدا کی زمین پر چمکتے ہوئے چراغ ہدایت ہیں۔ خداوندِ کریم نے ان کو اپنے ''خیرِ عظیم'' کے ساتھ نوازا ہے اسی لئے زمین پر درندے، چرندے، پرندے، چیونٹیاں اپنے بلوں میں، مچھلیاں دریاؤں میں ان کیلئے دعائے رحمت کو اپنا وظیفہ بنائے ہوئے ہیں۔ فرشتوں کی مقدس جماعت ان طالبان علم دین کی رضا جوئی کے لئے اپنے پَر بچھا دیتی ہے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ! جب خالقِ کائنات کا فضل وکرم اور کائناتِ عالم کی دعائیں، ملائکہ کے بچھے ہوئے پَر، علماءِ دین کا اعزاز بڑھا رہے ہیں تو اگر چند مردار قسم کے دنیا دار علماءِ ربّانیّین کو حقارت کی نظر سے دیکھیں تو اس کا کیا غم ہے جو لوگ آج علماء کرام کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے مقدس رسولوں کے فرمانوں سے منہ موڑ لیا ہے اور دنیا کی دولت پر مغرور ہو کر اور اللہ کے نیک بندوں کی تحقیر وتذلیل کر کے اپنی آخرت کو خراب کر رہے ہیں۔

علماءِ حق کو لازم ہے کہ ان مغرور وبد خصال جہال کی اِیذا رسانیوں پر صبر کریں اور ہرگز ہرگز دل شکستہ ہو کر اِعلاءِ کلمۃُ الحق کے مَنصبِ جَلیل سے الگ نہ ہوں۔ خداوندِ قدوس نے اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ حکم دیا ہے کہ

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ۝ (1)

یعنی اے محبوب! آپ لوگوں کی خطاؤں کو معاف فرمادیں اور نیکی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے اعراض کرتے رہیں۔

---

1 ......ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔ (پ۹، الاعراف: ۱۹۹)

حدیث گھڑنے والا جہنمی ہے

حدیث:۹

سَمِعۡتُ رِبۡعِیَّ بۡنَ حِرَاشٍ یَقُوۡلُ: سَمِعۡتُ عَلِیًّا یَّقُوۡلُ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: لَا تَکۡذِبُوۡا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنۡ کَذَبَ عَلَیَّ فَلۡیَلِجِ النَّارَ (1)

(بخاری، ج ا، باب اثم من کذب علی النبی)

ترجمہ: رِبۡعی بن حراش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ مت باندھو کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ ضرور جہنم میں داخل ہوگا۔

اس حدیث کے راویوں میں ''ربعی بن حراش'' اور ''حضرت علی'' رضی اللہ تعالیٰ عنہما خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں لہٰذا حدیث کی شرح پڑھنے سے پہلے ان دونوں مقدس بزرگوں کے احوال کے مطالعہ سے اپنی بَصارت کو پُرنور کر لیجئے۔

رِبُعی بن حراش: کوفہ کے رہنے والے بہت ہی جلیل القدر تابعی محدث ہیں۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگرد رِشید ہیں۔ بہت ہی متقی، عبادت و رِیاضت میں ممتاز، زندگی بھر میں کوئی جھوٹ آپ کی زبان پر نہیں آیا۔ آپ کی اور آپ کے بھائی ''ربیع بن حراش'' کی ایک مشہور کرامت یہ ہے کہ دونوں بھائیوں نے قسم کھالی تھی کہ ہم اس وقت تک نہیں ہنسیں گے جب تک ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ہم جنتی ہیں۔ چنانچہ تمام عمر میں یہ دونوں کبھی نہیں ہنسے مگر انتقال کے

---

(1)......صحیح البخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، الحدیث:١٠٦، ج١، ص٥٦

بعد غسل دینے والوں اور دوسرے حاضرین کا بیان ہے کہ جب تک ان دونوں کو غسل دیا جاتا رہا یہ دونوں برابر لگاتار مسکرا مسکرا کر ہنستے رہے۔ ربعی بن حراش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۱۰۱ھ یا ۱۰۴ھ میں ہوئی۔(1)(نووی وتہذیب التہذیب)

حضرت علی: حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل الشان صحابی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ چہارم ہیں۔ بچوں میں سے سب سے پہلے آپ ایمان لائے۔ مدینہ ہجرت کی۔ جنگِ تبوک کے سوا تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریکِ جہاد رہے۔ جنگِ خیبر کے دن آپ ہی کے ہاتھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جھنڈا عطا فرمایا اور آپ ہی نے خیبر کو فتح فرمایا۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آپ خلیفہ ہوئے۔ تقریباً پانچ برس تک خلافت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ تریسٹھ سال کی عمر پا کر کوفہ میں ۱۹ رمضان ۴۰ھ کو ابنِ مُلجم خارجی کی زہر آلود تلوار سے آپ کی شہادت ہوئی۔ آپ نے پانچ سو چھیاسی حدیثیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں۔ آپ کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں۔ مُفَصَّل تذکرہ ہماری کتاب حقانی تقریریں میں پڑھئے۔

شرحِ حدیث: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یوں تو خود جھوٹ بولنا یا کسی دوسرے کی طرف جھوٹ کی نسبت کر دینا کہ اس نے وہ بات نہیں کہی ہے مگر خواہ مخواہ اس بات کو اس کے سر تھوپ دینا ہر جگہ، ہر حال میں ہر شخص کے لئے حرام و ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرنا یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جس بات کو نہیں فرمایا اس بات کے بارے میں جھوٹ موٹ

......تهذيب التهذيب، حرف الراء، من اسمه: ربعي، ج٣، ص٦٢، ٦٣

کا کہنا کہ حضور نے فرمایا ہے یہ تمام بڑے بڑے کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہِ کبیرہ ہے اور بلاشبہ اس گناہ کا مُرتکِب قَہرِ قَہَّار وغضبِ جَبَّار کا سزاوار، جہنمی اور عذابِ نار کا حقدار ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جس بات کی نسبت ہوجائے گی وہ شریعت اور خدا کے دین کا جزو قرار پائے گی۔ اس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنا خدا پر بھی جھوٹی تہمت لگانا ہوجائے گا اور ظاہر ہے کہ اللہ و رسول پر اِفتراء کرنا اور جھوٹی تہمت لگانا کتنا بڑا اور کس قدر خوفناک گناہ ہے اسی لئے ایسے مردود اور خبیث شخص کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہوگا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر کوئی جھوٹ بولے یعنی میری نہ کہی ہوئی بات کو خواہ مخواہ میری طرف مَنْسوب کرے اور کہے کہ اس بات کو حضور نے فرمایا ہے تو وہ جہنم میں جائے گا۔

فوائد و مسائل: ﴿۱﴾ اس حدیث کو مسلم نے اپنے مقدمۂ کتاب میں، ترمذی نے کتاب العلم اور مناقب میں اور ابن ماجہ نے نیت میں ذکر کیا ہے۔

﴿۲﴾ اس حدیث کی بعض روایتوں میں مُتَعَمِّدًا کا لفظ بھی آیا ہے یعنی قصداً اور جان بوجھ کر جو حضور پر جھوٹ بولے گا وہ جہنمی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بھول چوک میں غلطی سے کسی نے ایسا کیا تو وہ اس وعید کا مستحق نہیں ہوگا۔

﴿۳﴾ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کا گناہ کسی دوسرے آدمی پر جھوٹ باندھنے سے بدرجہا بڑھ کر بڑا گناہ ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہ کرام اس

گناہ سے اس قدر ڈرتے تھے کہ جب تک ان کو کسی حدیث کے بارے میں بالکل قطعی اور یقینی علم نہیں ہو جاتا تھا ہرگز ہرگز اس حدیث کو کبھی بھی اپنی زبان پر نہیں لاتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف میں اسی حدیث کے نیچے ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد ماجد حضرت زُبَیر بن اَلعَوَّام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ ابا جان! میں آپ کو اس طرح کثرت سے حدیثیں سناتے ہوئے نہیں دیکھتا جس طرح فلاں فلاں صحابہ حدیثیں سنایا کرتے ہیں تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں کبھی کسی موقع پر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جُدا تو نہیں ہوا مگر میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ (1)

حضرت زُبَیر بن اَلعَوَّام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ میں اس وعید کے خوف سے حدیثوں کو بیان کرنے میں بہت احتیاط کرتا ہوں اور صرف ان ہی حدیثوں کو سناتا ہوں جو مجھے اچھی طرح یاد ہیں اور جن کے بارے میں پورے وُثوق اور یقین کے ساتھ میں جانتا ہوں کہ یہ فرمانِ رسول ہیں۔ باقی دوسرے صحابہ جو مجھ سے زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں چونکہ وہ مجھ سے زیادہ حدیثوں کو یاد کئے ہوئے ہیں اس لیے وہ مجھ سے زیادہ تعداد میں حدیثیں سنایا کرتے ہیں۔

اسی طرح مشہور صحابی حضرت اَنس بن مالِک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فرمایا کہ مجھ کو زیادہ تعداد میں حدیثیں بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

1 ......صحیح البخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، الحدیث:۱۰۷، ج۱، ص۵۷

نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر جھوٹ بولے وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالے۔(1) (بخاری)

اسی طرح امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی شخص ان کو کوئی حدیث سناتا اور وہ حدیث ان کے علم میں نہ ہوتی تو آپ اُس شخص سے اُس حدیث پر گواہ طلب فرماتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ تم گواہوں سے ثابت کرو کہ یہ رسول کی حدیث ہے۔(2)

اسی طرح بعض صحابہ حدیث سنانے والوں سے قسم کھانے کا مطالبہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم قسم کھا کر کہو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے۔

یہ سب کچھ اسی احتیاط کے لیے تھا کہ کوئی شخص اپنی طرف سے گھڑ کر جھوٹی حدیث نہ سنائے اسی طرح حضرات تابعین اور تبع تابعین بلکہ تمام مُعْتَمَد محدثین کا یہی طریقہ تھا کہ حدیثوں کے بیان کرنے میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے۔ایک لفظ کے اَدَل بدل کو بھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ حدیث گھڑ لینے کا کتنا گناہ اور عذاب ہے۔اس خوف سے ہر وقت یہ لوگ لَرزَہ بَر اَندام رہتے تھے۔

اس لئے زمانہ حال کے علماء وواعِظین کو بھی لازم ہے کہ وہ حدیثوں کے بیان کرنے میں پوری پوری احتیاط سے کام لیں اور جو اصل مضمونِ حدیث ہے اسی کو وعظوں میں بیان کریں اور ہرگز ہرگز اپنی طرف سے حدیث میں کسی لفظ کی کمی بیشی نہ کریں۔ ہاں البتہ حدیث پیش کرنے کے بعد اس کی توضیح وتشریح کرنا اور الفاظِ حدیث سے

---

1 ......صحیح البخاری، کتاب العلم،باب اثم من کذب علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، الحدیث:۱۰۸،ج۱،ص۵۷

2 ...... کتاب تذکرۃ الحفاظ ، الطبقۃ الاولی ، امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ...الخ، الجزء الاول، ج۱، ص۱۱

استدلال کرتے ہوئے مسائل و معارف اور نِکات کو بیان کرنا جائز ہے۔ بلکہ یہ نہایت ہی پسندیدہ طرز اور سلفِ صالحین کا مقدس طریقہ ہے۔

﴿٤﴾ جھوٹی اور من گھڑت حدیثوں کو محدثین کی اصطلاح میں ''حدیثِ موضوع'' کہا جاتا ہے اور جھوٹی حدیث گھڑ لینے والے کو ''واضِع الحدیث'' یا ''وَضّاع الحدیث'' کہتے ہیں۔

جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں کو سلطانِ اسلام بطورِ تعزیر کوڑوں کی مار یا قید یا قتل کی سزا دے گا۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عذابِ قبر

حدیث : ۱۰

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَیْنِ فَقَالَ: اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَةِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّھَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ صَنَعْتَ ھٰذَا؟فَقَالَ:لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَا لَمْ یَیْبِسَا (1) (مشکوٰۃ، باب آداب الخلاء و بخاری، ج ۱، باب من الکبائر ان لایستتر من بولہ، ص ۳۴)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ یقیناً یہ دونوں عذاب میں مبتلا ہیں اور کسی ایسے گناہ میں عذاب نہیں دیا جارہا ہے جس سے بچنا بہت زیادہ دشوار ہو۔ ان میں سے ایک تو پیشاب کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک ہری ٹہنی لی اور اس کو چیر کر دو ٹکڑے کیے پھر ہر قبر میں ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ

1 ......مشکاۃ المصابیح، کتاب الطھارۃ، باب آداب الخلاء، الحدیث: ۳۳۸، ج ۱، ص ۸۱

علیہ وآلہ وسلم آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس لئے کہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں گی ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی۔

حضرت ابن عباس: اس حدیث کے راوِیوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی ممتاز اور صاحبِ فضیلت صحابی ہیں۔ یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ ان کا نام ''عبداللہ'' ہے۔ یہ دَورِ صحابہ کے سب سے کم عمر مُفَسِّر ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ! ان کو حکمت اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما۔ چنانچہ اسی دعاءِ نبوی کا اثر ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ نے آپ کے علم وفضل کا اِعتراف کیا۔ یہاں تک کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض مشکل مسائل میں آپ سے مشورہ لیتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صحابہ کرام میں چھ شخصوں نے بہت زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں اور ان کے نام یہ ہیں: ﴿۱﴾ حضرت عائشہ ﴿۲﴾ حضرت عبداللہ بن عباس ﴿۳﴾ حضرت عبداللہ بن عمر ﴿۴﴾ حضرت ابو ہریرہ ﴿۵﴾ حضرت جابر ﴿۶﴾ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال کی تھی۔ (عینی، ج۱، ص۸۳) ستر سال کی عمر میں بمقام ''طائف'' ۶۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھا کر مجمعِ عام میں بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ ہائے افسوس! آج اس امت کا مفسر دنیا سے اٹھ گیا۔ (1) (فیوض الباری، ج۱، ص۸۱)

شرحِ حدیث: امام بخاری نے اس حدیث کو اس عنوان کے تحت بیان فرمایا ہے کہ

---

1 ......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی، ج۱، ص۱۲۸

''بَابٌ مِنَ الْکَبَائِرِ اَنْ لَا یَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِہٖ'' اس سے امام موصوف کا مقصد یہ ہے کہ پیشاب کے وقت پردہ نہ کرنا اور لوگوں کے سامنے شرم گاہ کھول کر پیشاب کرنا یہ گناہ کبیرہ ہے اور بعض روایتوں میں ''لَا یَسْتَتِرُ'' کی جگہ ''لَا یَسْتَنْزِہُ'' کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پیشاب سے اپنے بدن اور کپڑوں کو محفوظ نہ رکھنا یہ گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اسی حدیث میں پیشاب سے نہ بچنے والے کو قبر میں عذاب دیا جانا بیان کیا گیا ہے اس لیے یہ ثابت ہوگیا کہ اپنے بدن اور کپڑوں کو پیشاب سے نہ بچانا گناہ کبیرہ اور باعثِ عذاب ہے۔

گناہِ کبیرہ کون کون ہیں: گناہِ کبیرہ کون کون اور کتنے ہیں؟ اس میں اِختلاف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ گناہِ کبیرہ کی تعداد ''سات'' ہے اور وہ یہ ہیں: شرک، جادو، خونِ ناحق، سود خواری، یتیم کا مال کھانا، جہادِ کفار سے بھاگ جانا، پاک دامن مومن عورتوں کو زِنا کی تہمت لگانا۔(1) (مشکوٰۃ، باب الکبائر)

یہ ساتوں گناہ وہ ہیں جن کے بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ سات ہلاک کردینے والے گناہوں سے بچو!

اور حاکم کی روایت میں گناہ کبیرہ کی تعداد ''نو'' اور بعض روایات میں اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی نے کہا کہ کیا گناہِ کبیرہ سات ہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ گناہِ کبیرہ کی تعداد سات سو تک ہے۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح ایک چھوٹی سی نیکی کو خلوصِ نیت کے ساتھ اگر کوئی کرے تو

......مشکاۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الکبائر وعلامات النفاق، الحدیث: ۵۲، ج۱، ص۳۱

اس کا اجر وثواب بہت بڑھ جاتا ہے اسی طرح گناہ صغیرہ یعنی چھوٹے چھوٹے گناہوں کو اگر کوئی بے باکی اور بے خوفی کے ساتھ کرتا ہے تو وہ گناہِ صغیرہ بھی گناہِ کبیرہ ہوجاتا ہے۔(1) کیونکہ ہر ''گناہِ صغیرہ'' پر جب اِصرار کیا جائے تو وہ ''گناہِ کبیرہ'' بن جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابو طالب مکی سے منقول ہے کہ گناہِ کبیرہ سترہ ہیں۔ چار وہ ہیں جو دل سے تعلق رکھتے ہیں: ﴿۱﴾ شرک ﴿۲﴾ گناہوں پر اصرار ﴿۳﴾ اللہ عزوجل کی رحمت سے ناامید ہوجانا ﴿٤﴾ اللہ عزوجل کے عذاب سے بے خوف ہوجانا اور چار وہ ہیں جن کا تعلق زبان سے ہے: ﴿۱﴾ جھوٹی گواہی دینا ﴿۲﴾ پاک دامن کو تہمت لگانا ﴿۳﴾ جادو کرنا ﴿٤﴾ حرم کعبہ میں گناہ کرنا اور تین وہ ہیں جن کا تعلق شکم سے ہے: ﴿۱﴾ شراب پینا ﴿۲﴾ یتیم کا مال کھانا ﴿۳﴾ سود کھانا، دو وہ ہیں جن کا تعلق شرمگاہ سے ہے: ﴿۱﴾ زنا ﴿۲﴾ لِواطت، ایک وہ ہے جس کا تعلق پاؤں سے ہے: ﴿۱﴾ جہاد سے بھاگنا، دو وہ ہیں جو ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں: ﴿۱﴾ خون ناحق ﴿۲﴾ چوری اور ایک وہ ہے جس کا تعلق پورے جسم سے ہے: ﴿۱﴾ والدین کی نافرمانی کرنا۔(2)

(شرح عقائد وحاشیہ، ص۸۲)

واضح رہے کہ مختلف روایتوں میں جو گناہ کبیرہ کی تعداد بتائی گئی وہ حصر کے لیے نہیں ہے کہ گناہ کبیرہ سات ہیں یا نو ہی ہیں یا سترہ ہی ہیں بلکہ یہ مثال کے طور پر ہے کہ کسی روایت میں مثال کے طور پر سات کا ذکر آ گیا، کسی روایت میں نو کا، کسی روایت میں سترہ کا ورنہ ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا گناہوں کے سوا اور بھی بہت سے گناہ کبیرہ ہیں۔ مثلاً نماز و روزہ اور حج وزکوۃ کو چھوڑ دینا، ظلم کرنا، ڈاکہ ڈالنا، جھوٹ بولنا، چغلی کھانا، دو

---

(1) ......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الوضوء، باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ، ج۱، ص۴۹۵

(2) ......حاشیۃ شرح العقائد النسفیۃ، مبحث الکبیرۃ، ص۱۰۸

مسلمانوں کو آپس میں لڑا دینا، ناچ دیکھنا، عورتوں کا بے پردہ ہو کر پھرنا، ناپ تول میں کمی کرنا، جوا کھیلنا، حیض ونفاس کی حالت میں بیوی سے صحبت کرنا، ماں باپ کو تکلیف دینا وغیرہ وغیرہ سینکڑوں گناہ کبیرہ ہیں۔

گناہ کبیرہ کس کو کہتے ہیں: گناہ کبیرہ ہر اس گناہ کو کہتے ہیں جس سے بچنے پر خداوند عالم نے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔(1) (حاشیہ بخاری، ص۳۴) اور بعض علماء کرام نے فرمایا کہ ہر وہ گناہ جس کے کرنے پر اللہ ورسول نے وعید سنائی یا لعنت فرمائی یا عذاب و غضب کا ذکر فرمایا وہ گناہ کبیرہ ہے۔(2) (فیوض الباری، ج۱،ص۴۰۵) واللہ تعالیٰ اعلم۔

چغلی کیا ہے؟ حدیث میں لفظ ''نَمِیمہ'' آیا ہے جس کا ترجمہ اُردو میں ''چغلی'' ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ کسی کی بات کو دوسرے آدمی تک نقصان پہنچانے کے قصد سے لے جانا یہ چغلی ہے۔(3) اور گناہ کبیرہ ہے کیونکہ مسلمانوں میں خِلاف وشِقاق اور جنگ وجِدال کا ذریعہ ہے۔

دوسری نَجاستوں اور گناہوں سے بھی بچو: حدیث مذکور میں اگرچہ عذاب کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دونوں قبر والے ایک تو اُن میں سے اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا تھا لیکن اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس خصوص میں اپنے پیشاب ہی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی نَجاست گوبر، پاخانہ، خون وغیرہ نَجاستوں سے بھی پرہیز نہ کرنا عذابِ قبر کا باعث بن سکتا ہے۔(4) اس لیے ہر مسلمان کو

(1)......ارشادالساری، کتاب الوضوء، باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ، ج۱،ص۵۱٤

(2)......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الوضوء، باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ، ج۱،ص٤۹۵

(3)......عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ، تحت الحدیث:۲۱٦، ج۲،ص۵۹٤

(4)......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الوضوء، باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ، ج۱،ص٤۹٦

ہر قسم کی نجاستوں سے ہر وقت پاک وصاف رہنا چاہئے۔

اسی طرح عذابِ قبر کا سبب بننے میں صرف ''چغلی'' ہی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اس قسم کے دوسرے گناہِ کبیرہ مثلاً غیبت، جھوٹ، ظلم وغیرہ بھی عذاب قبر کا سبب بن سکتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو گناہِ کبیرہ کی تمام قسموں سے اجتناب و پرہیز کرنا لازم ہے۔

عالمِ برزَخ کا علم: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عالم برزخ کے واقعات کو دیکھتے، سنتے اور جانتے تھے اس لیے کہ ''عذاب قبر'' عالم برزخ کے احوال میں سے ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں '' فَسَمِعَ صَوْتَ اِنْسَانَیْنِ یُعَذَّبَانِ '' کے الفاظ ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان دونوں قبروں کے مُردوں کے عذاب کا علم وحی کے ذریعے نہیں ہوا تھا بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سُن کر اور دیکھ کر عذابِ قبر کا حال معلوم فرمایا تھا۔

اس سے پتہ چلا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے دیکھنے اور سننے بلکہ ان کی تمام قوتوں کو عام انسانوں کے قُوائے جسمانیہ اور بدنی طاقتوں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ ہم عام انسان چیزوں کو اپنے حواس ظاہری یعنی آنکھ، کان وغیرہ سے دیکھتے سنتے ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی باطنی قوتوں سے دیکھتے سنتے ہیں۔ اللہ اکبر! کہاں ہمارے ظاہری حواس اور کہاں انبیاء علیہم السلام کی باطنی قوتیں! ''چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک''۔

عارِف رومی نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

فلسفی کہ منکر حنانہ است   از حواس انبیاء بیگانہ است

یعنی فلسفی جو ''ستون حنانہ'' کے رونے اور اس کی آواز سنائی دینے کے معجزہ سے انکار کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ''فلسفی'' انبیاء علیہم السلام کے حواس کی بے پناہ باطنی قوتوں

سے ناواقف ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

نطقِ خاک ونطقِ آب ونطقِ گل   ہست محسوس حواس اہل دل

یعنی مٹی، پانی، کیچڑ کی بولیوں کو بھی اہل دل کے حواس محسوس کرتے اور جان لیتے ہیں۔

قبر پر پھول: اس حدیث میں ''لَعَلَّهٗ اَنْ يُّخَفَّفَ'' یعنی کھجور کی تر شاخوں کو قبر پر ڈالنے کی حکمت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم نے یہ بتائی کہ ان گیلی اور ہری ٹہنیوں کی تسبیح سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبروں پر تازہ پھول اور ہری پتیوں کو ڈالنا ہرگز ہرگز بدعت نہیں ہے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کی اسی حدیث پر عمل ہے لہٰذا یہ سنت ہے چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت بُریدہ اَسلمی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر میں دو گیلی ٹہنیاں ڈال دی جائیں۔(1)

(بخاری، ج اول، باب الجرید علی القبر)

قبر کے پاس تلاوت: علّامہ خطّابی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب سبز ٹہنیوں کی تسبیح سے میت کے عذاب میں تَخْفِیف ہو جاتی ہے تو قبر کے پاس اگر کوئی مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرے تو بدرجہ اَولیٰ اس سے میت کے عذاب میں تَخْفِیف ہوگی کیونکہ ظاہر ہے کہ تلاوت قرآن برکت وفضیلت میں شاخوں اور ٹہنیوں کی تسبیحات سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔(2) (عینی، ج ۱، ص ۸۷۰)

ایصالِ ثواب: حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کا اجر وثواب میت کو پہنچتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بکثرت

1......صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر، ج ۱، ص ۴۵۸

2......عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله، تحت الحدیث: ۲۱۶، ج ۲، ص ۵۹۸

اَحادِیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً ابوبکر نجار نے اپنی کتابُ السُّنن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو کوئی قبرستان میں گزرے اور گیارہ مرتبہ ”قل ھو اللّٰہ“ پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ اس قبرستان کے مُردوں کی تعداد میں اس کا ثواب عطا فرمائے گا۔(1)

اسی طرح حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کیا ہے کہ جو قبرستان میں جائے اور سورۂ یٰسین پڑھ کر اس کا ثواب میّت کو پہنچائے تو اللہ تعالیٰ اس میت کے عذاب میں تَخْفِیف فرمائے گا۔(2)

اسی طرح حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے والدین کی قبر کی زیارت کرے اور وہاں سورۂ یٰسین پڑھے تو اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے گا۔(3)
(فیوض الباری، ج۱، بحوالہ عینی، ج۱، ص۸۷۶)

سوال و جواب: کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو تو معلوم ہو گیا تھا کہ ان دونوں قبروں کے مُردوں کو عذاب ہو رہا ہے اس لیے ان دونوں کے عذاب کی تخفیف کے لئے گیلی ہری شاخوں کو ان کی قبروں میں گاڑ دیا لیکن ہم لوگوں کو کیا معلوم کہ کون سی قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے اور کون سی قبر والے کو نہیں اس لیے ہم کیوں کسی قبر پر گیلی شاخ یا تازہ پھول اور ہری پتیاں ڈالیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سبز پتیوں اور تازہ پھولوں کی تسبیحات سے جب

---

(1) ...... كشف الخفاء، الحديث ٢٦٢٩، ج٢، ص ٢٥٢

(2) ......مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، تحت الحديث ١٧١٧، ج٤، ص ١٩٨

(3) ......فيوض الباری، كتاب الوضوء، باب من الكبائر ان لا يستتر من بوله، ج١، ص ٤٩٨

عذاب قبر میں تخفیف ہو جانا حدیث سے ثابت ہے تو یقیناً ان کی تسبیحوں سے میت کو اُنس بھی حاصل ہوگا اور سکون و راحت بھی پہنچے گی تو اگر کسی ایسی قبر پر پھول پتی ڈالیں جس قبر والے کو عذاب نہیں ہو رہا ہے تو اس کو اُنس اور سکون و راحت کی نعمت تو مل ہی جائے گی بہر حال قبروں پر پھول پتی ڈالنا ہر صورت میں باعثِ خیر و برکت اور موجب رحمت ہی ہوگا۔ صاحبِ قبر کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا اور زائرین قبر بھی اس کی خوشبو سے فائدہ مند ہونگے۔ ہر حال میں اس سے فائدہ ہی کی امید ہے اس میں نقصان کا تو کوئی اندیشہ ہی نہیں ہے لہٰذا جو لوگ قبروں پر پھول پتی ڈالتے ہیں خواہ مخواہ ان کو بدعتی کہہ کر لوگوں کو اس کارِ خیر سے ہرگز ہرگز منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جیسا کہ گزر چکا حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور یاد رکھئے کہ جس چیز کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہو وہ ہرگز ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتی نہ اس کو بدعت کہنا صحیح ہوسکتا ہے۔ درحقیقت وہابیوں کا یہ ایک بڑا ظلم و ستم ہے کہ وہ بات بات پر خواہ مخواہ مسلمانوں کو مشرک و بدعتی بناتے رہتے ہیں اور خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو بلا کسی دلیل کے حرام ٹھہرا کر اللہ و رسول پر افتراء کرتے رہتے ہیں۔ (والعیاذ باللّٰہ تعالٰی منہ) واللہ تعالٰی اعلم۔

ایمان کی مٹھاس

حدیث: ۱۱

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ(1)

(بخاری، ج۱، کتاب الایمان، ص۷)

(1)...... صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان، الحدیث: ۱٦، ج۱، ص۱۷

ترجمہ: حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں جس شخص میں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا ﴿۱﴾ جس کو اللہ ورسول ان دونوں کے ماسوا (سارے جہان) سے زیادہ مَحبوب ہوں۔ ﴿۲﴾ اور جو کسی آدمی سے خاص اللہ ہی کے لئے محبت رکھتا ہو ﴿۳﴾ اور جو اسلام قبول کرنے کے بعد پھر کفر میں جانے کو اتنا ہی بُرا جانے جتنا آگ میں جھونک دیئے جانے کو بُرا جانتا ہے۔

شرحِ حدیث: اس حدیث کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جس طرح ''شکر'' اور چیز ہے اور ''شکر کی مٹھاس'' اور چیز ہے اسی طرح ایمان اور چیز ہے اور ایمان کی لذت اور چیز ہے۔ جس شخص کے منہ کا ذائقہ بالکل درست ہو اگر وہ شکر کھائے گا تو اس کو شکر کی مٹھاس کا لُطف و مزہ بھی محسوس ہو گا لیکن اگر کوئی صَفراوی بخار کا مریض جس کے منہ کا ذائقہ بگڑ کر تلخ ہو چکا ہو اگر وہ شکر کھائے گا تو اس کو شکر کی مٹھاس محسوس نہیں ہو گی۔ ظاہر ہے کہ پہلا شخص تو شکر کھانے والا بھی کہلائے گا اور شکر کی لذت پانے والا بھی ہو گا اور دوسرا شخص اگرچہ شکر کھانے والا تو کہلائے گا مگر شکر کی مٹھاس کی لذت سے محروم ہو گا۔

بس بالکل یہی مثال ایمان کی ہے جو شخص کلمہ پڑھ کر مومن ہو گیا اور ایمان کے بعد اس میں تین خَصلتیں پیدا ہو گئیں تو وہ شخص ایمان کی مٹھاس یعنی ایمانی لذت کا لُطف و مزہ بھی پالے گا اور جس شخص میں یہ تینوں خصلتیں نہیں پیدا ہوئیں تو وہ شخص اگرچہ صاحبِ ایمان تو ہو گا مگر ایمان کی مٹھاس یعنی ایمان کی لذت خاص کے لطف و مزہ سے مَحروم رہے گا۔

وہ تین چیزیں جن پر ایمان کی مٹھاس اور لذت کا پایا جانا مَوقوف ہے وہ کون کون ہیں اب ان کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمایئے اور انتہائی جذبۂ اخلاص کے ساتھ انتہائی

جدو جہد اور پوری پوری کوشش کیجئے کہ آپ میں یہ تینوں خصلتیں پیدا ہو جائیں تا کہ آپ ایمان کی مٹھاس یعنی ایمان کی لذتِ خاص سے لطف اندوز ہو سکیں۔

اللہ و رسول کی محبت: اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا سارے عالَم سے بڑھ کر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مومن کے دل کی گہرائیوں میں اللہ و رسول کی محبت اس طرح گھر کر جائے اور اس قدر مضبوط و مستحکم ہو جائے کہ اپنے آباء واَجداد، اَزواج واَولاد، مکان ودکان، مال وسامان، جسم و جان یہاں تک کہ سارے جہان کو اللہ و رسول کی راہ میں قربان کر دینے کا سچا جذبہ پیدا ہو جائے۔

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری میں ایسی استقامت اور اوامر ونواہی کی تعمیل میں ایسا اِلتزام ہو کہ کسی حال میں بھی جذبۂ استقامت اور جوشِ اِلتزام مُتزَلزَل نہ ہو۔(1)

حُبٌّ فی اللہ: صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ ''حب فی اللہ'' اور ''بغض للہ'' یعنی اللہ ہی کے لئے دوستی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی یہ تَصَوُّف کی جان ہے۔ ایک مومن کے کامل ایمان کی یہ ایک بہت بڑی نشانی ہے کہ وہ اگر کسی سے دوستی کرتا ہے تو اپنی کسی غرضِ نفسانی کے لئے نہیں بلکہ خالص رضائے الٰہی کے لئے دوستی کرتا ہے اور اگر وہ کسی سے دشمنی رکھتا ہے تو مَحض اللہ کی رِضا اور اس کی خوشنودی کے لئے دشمنی رکھتا ہے۔ مثلاً ہم لوگ انبیاء، صِدّیقین، شہدا اور صالحین سے جو محبت رکھتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ یہ لوگ ہمارے رشتہ دار ہیں یا یہ لوگ ہماری مالی امداد کر چکے ہیں بلکہ صرف اس لیے ہم ان حضرات سے محبت کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے محبوب بندے ہیں۔

---

(1)......الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی، الجزء الثانی، القسم الثانی، الباب الثانی فی لزوم محبته، ص ٢٤، مأخوذاً

اور اگر ہم ابوجہل، ابولہب اور دوسرے کافروں یا منافقوں یا بدمذہبوں سے بغض رکھتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان لوگوں نے ہم لوگوں کو مارا پیٹا ہے یا ہم لوگوں کا مال واسباب لوٹ لیا بلکہ ہم ان ظالموں سے صرف اس لیے دشمنی رکھتے ہیں کہ یہ اللہ کے دشمن ہیں۔

اللہ ہی کے لئے دوستی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی، اسی کا دوسرا نام اِخلاص ہے مومن کے لئے ہر عمل میں اخلاص وللّٰہیت کا جذبہ رکھنا یہ ایمان کی لذت پالینے کی دوسری شرط ہے اور یادرکھئے کہ مومن کے جذبۂ اِخلاص کی وہ طاقت ہے کہ اس کی روحانی توانائیوں کے مقابلہ میں ہزاروں شیطانوں کی طاغوتی طاقتیں لرزہ براَندام رہتی ہیں۔ شیطان خود ہی خدا کے دربار سے یہ کہہ کر نکلا ہے کہ

اِلَّاعِبَادَکَ مِنۡھُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ۝ (1) یعنی اے اللہ! میں قیامت تک اولادِ آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا مگر تیرے اخلاص والے بندوں پر میرا جادو نہیں چل سکے گا۔

حکایت: اللہ اکبر! اِخلاص کی طاقت کا کیا کہنا! بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ایک عابد کو پتہ چلا کہ فلاں جنگل میں ایک درخت کو لوگ پوجتے ہیں، عابد کو لوگوں کے اس شرک پر بڑا اجلال اور بے حد غصہ آگیا۔ جوشِ جہاد سے سَرشار ہو کر عابد نے ایک کلہاڑی لی اور یہ عَزْم کر کے چل پڑا کہ میں اس درخت کو جڑ سے کاٹ کر اس شرک کی جڑ ہی کاٹ دوں گا۔ مگر ابھی چند ہی قدم چلا تھا کہ شیطان ایک پہلوان کی شکل میں سامنے آ گیا اور کہنے لگا کہ کہاں چلے؟ عابد نے کہا کہ میں جنگل میں فلاں درخت کو کاٹنے کے لئے جارہا

1 ...... ترجمہ کنزالایمان: مگر جو اُن میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔ (پ ۲۳، صٓ: ۸۳)

ہوں۔شیطان نے کہا کہ میں اُس درخت کا نگہبان ہوں بھلا تمہاری مَجال ہے کہ تم اس درخت کو کاٹ سکو گے عابد جوشِ جہاد میں شیطان سے لڑ پڑا اور شیطان کو زمین پر پچھاڑ کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور شیطان بالکل ہی عاجز و لاچار ہو گیا۔ جب شیطان ہار گیا تو عابد سے کہنے لگا: بھائی! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں تم اس درخت کو مت کاٹو، اس درخت کے کاٹنے سے تم کو کیا فائدہ ہو گا خواہ مخواہ تھک جاؤ گے اور رات کو نمازِ تہجد بھی نہ پڑھ سکو گے، تم اس درخت کو کاٹنے کے خیال سے باز آجاؤ میں اس کے بدلے میں روزانہ تم کو ایک اشرفی دیا کروں گا، خود بھی آرام سے کھانا پینا اور اس میں سے فقراء اور مساکین کو صدقہ بھی دیتے رہنا اور انتہائی اطمینانِ قلب کے ساتھ خدا کی عبادت میں مشغول رہنا۔ عابد پر شیطان کا جادو چل گیا اور روزانہ ایک اشرفی کا نام سن کر اُس پر لالچ کا بھوت سوار ہو گیا۔ عابد نے وعدہ کر لیا کہ جاؤ میں اب اس درخت کو نہیں کاٹوں گا۔ چنانچہ چند دنوں تک تو شیطان عابد کے پاس روزانہ ایک اشرفی پہنچاتا رہا لیکن پھر ایک دم بند کر دیا۔ جب کئی دنوں تک اشرفی نہیں آئی تو عابد کو بڑا غصہ آیا کہ کم بخت شیطان نے مجھے دھوکہ دیا، پھر کلہاڑی اٹھائی کہ چل کر درخت کاٹ ڈالوں۔ چنانچہ گھر میں سے نکلا ہی تھا کہ شیطان بصورتِ پہلوان سامنے آ گیا اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اور عابد سے کہنے لگا کہ خبردار! تم اس درخت کو کبھی ہرگز ہرگز نہیں کاٹ سکتے۔ عابد نے تڑپ کر کہا کہ میں ضرور کاٹوں گا یہاں تک کہ دونوں گُتھم گُتھّا ہو گئے مگر اب کی مرتبہ شیطان نے اس زور سے عابد کو زمین پر دے مارا کے عابد کا سارا اَنجر پَنجر ڈھیلا ہو گیا اور شیطان عابد کے سینے پر سوار ہو گیا۔

عابد لاچار ہو کر کہنے لگا کہ یار! میں سمجھ نہیں سکا کہ پہلے دن تو میں نے بہت

ہی معمولی زور لگا کر تمہیں پچھاڑ دیا تھا مگر آج میں اپنی پوری طاقت لگانے کے باوجود تمہاری پیٹھ نہیں لگا سکا بلکہ خود ہی چت ہو گیا آخر معاملہ کیا ہے؟ اُس وقت شیطان نے کہا کہ میاں جی! ہوش کی دوا کرو۔ پہلی مرتبہ جو تم درخت کاٹنے چلے تھے تو صرف خدا کی رضا جوئی اور اخلاص کی نیت لے کر چلے تھے اس لیے میں تم پر قابو نہیں پا سکا تھا کیونکہ میں ہمیشہ خدا کے مخلص بندوں ہی سے عاجز و لاچار رہتا ہوں۔ مگر اب کی مرتبہ تم اخلاص کے ساتھ درخت کاٹنے کے لئے نہیں چلے تھے بلکہ اس غصہ میں چلے تھے کہ تم کو میں نے اشرفی نہیں دی تھی۔ سن لو! جب تک تمہارے اندر اخلاص کی طاقت کارفرما تھی میں تم سے عاجز تھا اب جبکہ اخلاص کی طاقت سے تم محروم ہو گئے تو اب قیامت تک تم مجھ پر کبھی غلبہ نہیں پا سکو گے۔ (1)

کفر آگ میں جانے کے برابر: تیسری چیز جس پر ایمان کی لذت وحَلاوَت کا پایا جانا موقوف ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کفر سے اتنا ہی بیزار اور مُتَنَفِّر ہو جتنا کہ آگ کے شعلوں میں ڈالے جانے سے بیزار و مُتَنَفِّر رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی انسان کبھی کسی حالت میں بھی اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی اس کو جلتی ہوئی آگ کے شعلوں میں جھونک دے اسی طرح کسی حالت میں بھی ایک سچا مومن کفر کرنے کو کبھی ہرگز ہرگز گوارا کر ہی نہیں سکتا۔ کفر کرنا اور آگ میں داخل ہونا دونوں اس کے نزدیک برابر ہوں۔ جب کسی مومن کو کفر سے اتنی نفرت اور بیزاری پیدا ہو جائے تو اس کو حلاوتِ ایمان کا مزہ نصیب ہو جائے گا۔

اللہ تعالٰی ہر مومن کو حلاوتِ ایمان کی لذت سے لطف اندوز فرمائے (آمین)

......احیاء علوم الدین، کتاب النیة والاخلاص والصدق، ج٥، ص١٠٤،١٠٥

فوائد و مسائل:《۱》یہ حدیث مسلم شریف، ترمذی شریف، نَسائی شریف میں بھی مذکور ہے۔《۲》اگر کسی مسلمان کو کافروں نے کفر کرنے پر اس طرح مجبور کر دیا کہ اس کو اپنی جان کا خطرہ یقینی طور پر نظر آنے لگا تو اگرچہ قرآن کے حکم اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ (1) سے اس مسلمان کے لئے یہ رخصت ہے کہ وہ کفر کی بات زبان سے کہہ دے بشرطیکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو لیکن اگر وہ مسلمان اس حالت میں بھی کفر کی بات زبان پر نہ لائے اور جان دے دے تو بلا شبہ وہ بہت ہی افضل و اعلیٰ درجے کی شہادت سے سرفراز ہوگا۔ چنانچہ صحابہ کرام اور بہت سے شہدائے اسلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی اسوۂ حسنہ ہے کہ ان خاصانِ خُدا کو جب کافروں نے کفر کرنے پر مجبور کر دیا اور ان کی گردنوں پر تلواریں رکھ دیں تو ان حضرات نے اپنی جانیں قربان کر دیں مگر کفر کی بات اپنی زبانوں پر نہیں لائے بلکہ دینِ اسلام پر استقامت کا پہاڑ بنے ہوئے اپنے خون کا آخری قطرہ اور اپنی زندگی کی آخری سانس خدا کی راہ میں قربان کر کے شہادت کے اِعزاز سے سرفراز ہوگئے۔ سبحان اللہ ۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

رسول کی بَیْعَت

حدیث:۱۲

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَّهُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَهٗ عِصَابَةٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ: بَايِعُوْنِیْ عَلٰی

......ترجمۂ کنز الایمان: سوا اسکے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ (پ ۱۴، النحل: ۱۰۶)

اَنْ لَّاتُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَاتَسْرِقُوْا وَلَاتَزْنُوْا وَلَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَلَاتَأْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَّفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَ مَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ (1) (بخاری، ج۱، کتاب الایمان، ص۷)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے اور لیلۃ العقبہ کے نقیبوں میں سے ایک ہیں) سے روایت ہے کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حال میں جبکہ آپ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت تھی، یہ فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے بیعت کرو (ان باتوں پر) ﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے ﴿۲﴾ چوری نہیں کرو گے ﴿۳﴾ زنا نہیں کرو گے ﴿۴﴾ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے ﴿۵﴾ اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان گھڑ کر کسی پر بہتان نہ باندھو گے ﴿۶﴾ کسی شرعی حکم میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ تو جو اس عہد و پیمان کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور جو ان گناہوں میں سے کچھ کر بیٹھے اور اس کو دنیا میں اس کی سزا مل جائے تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جس نے ان گناہوں میں سے کسی گناہ کو کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کو چھپائے رکھا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، وہ چاہے گا تو اس کو معاف فرمادے گا یا آخرت میں اس کو سزا دے گا، تو ہم سب لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی۔

عُبادہ بن صامِت: حدیث مذکور کے راوی حضرت عُبادہ بن صامِت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

(1)......صحيح البخاری، كتاب الايمان، ۱۱۔باب، الحديث:۱۸، ج۱، ص۱۷

بہت نامی گرامی اَنصاری اور صحابی رسول ہیں۔ بہت ہی حسین وخوبصورت اور نہایت ہی قد آور، قوی ہیکل اور مضبوط بدن کے آدمی تھے۔ عقبۂ اولیٰ، عقبۂ ثانیہ، جنگِ بدر، جنگِ اُحُد، بیعۃُ الرضوان وغیرہ تمام مشاہد اور لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ سب سے پہلے فلسطین کے حاکم یہی بنائے گئے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو شام کا قاضی بھی بنادیا تھا۔ یہ شہر حمص میں مقیم ہوگئے تھے پھر فلسطین چلے آئے اور ۳۴ھ میں بمقام ''رملہ'' بہتّر برس کی عمر پاکر وصال فرمایا۔ آپ نے ایک سو اکیاسی حدیثیں روایت فرمائی ہیں۔ ''عبادہ'' نام کے بارہ صحابی ہیں مگر ''عبادہ بن صامت'' آپ کے سوا کسی صحابی کا نام نہیں ہے۔ بخاری شریف میں آپ کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد کل نو ہیں۔ (1) (فیوض الباری، ج۱، ص۱۳۳ و قسطلانی، ج۱، ص۲۲۳)

توضیح الفاظ: حدیث مذکور کے چند الفاظ کی تشریح حسب ذیل ہے۔

بدر: مدینہ منورہ سے اَسی میل دور ایک گاؤں کا نام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہاں سالانہ ایک میلہ لگتا تھا۔ یہاں ایک کنواں تھا جس کو ''بدر'' نام کے ایک شخص نے بنوایا تھا۔ چنانچہ اسی شخص کے نام پر اس گاؤں کا نام ''بدر'' رکھ دیا گیا۔ (2) یہی وہ تاریخی مقام ہے جہاں ۱۷ رمضان ۲ھ میں کفر واسلام کا پہلا معرکہ ہوا جو جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں شریک ہونے والے صحابہ کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ اسی اِعزاز کو ظاہر کرنے کے لئے راوی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

---

1 ......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الایمان، ج ۱، ص ۲۰۰
وارشاد الساری، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار، تحت الحدیث: ۱۸، ج ۱، ص ۱۶۹

2 ......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الایمان، ج ۱، ص ۱۹۴

تعارف میں یہ کہا کہ ”وَ کَانَ شَھِدَ بَدْراً“ کہ یہ جنگ بدر میں شریک تھے۔

نُقَباء: ”نقیب“ کی جمع ہے۔اس کے معنی ہیں سردارِقوم یا قوم کا ذمہ دار جس کو مُکھیہ بھی کہتے ہیں۔(1)

لیلۃ العَقَبہ: اس لفظ کا ترجمہ ہے ”گھاٹی کی رات“ مگر تاریخِ اسلام میں یہ ایک تاریخی جگہ اور تاریخی رات کا نام ہے۔

حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر سال حج کے موقع پر آپ قبائل عرب کے سامنے دعوتِ اسلام پیش فرمایا کرتے تھے۔ پہلے سال ”منٰی“ کی گھاٹی میں جہاں ”مسجد العقبہ“ بنی ہوئی ہے مدینہ کے چھ شخصوں نے رات کی تاریکی میں چھپ کر اسلام قبول کیا۔ان خوش نصیبوں کے نام یہ ہیں:﴿۱﴾ابوالہیثم بن تیہان﴿۲﴾اسد بن زُرارہ، جو ۱ھ میں وفات پا گئے﴿۳﴾عوف بن حارث﴿٤﴾رافع بن مالک یہ جنگ احد ۳ھ میں شہادت سے سرفراز ہوئے﴿۵﴾قطبہ بن عامر یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے﴿٦﴾جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

یہ صاحبان منٰی کی گھاٹی میں اِسلام قبول کرنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے اور وہاں اِسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔دوسرے سال حج کے موسم میں بارہ آدمی مدینہ منورہ سے آئے اور اُن لوگوں نے بھی منٰی کی اِسی گھاٹی میں رات کے وقت حضورِاقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور اِسلام پر قائم رہنے کا عہد و پیمان کیا یہی وہ بیعت ہے جو سیرۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی تاریخوں میں

---

(1)......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الایمان، ج ۱، ص ۱۹٤
وارشاد الساری، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار، تحت الحدیث:۱۸، ج ۱، ص ۱٦۹

''بیعتِ عقبۂ اُولیٰ'' کے نام سے مشہور ہے۔اُن بارہ اشخاص نے بیعت کر لینے کے بعد یہ خواہش ظاہر کی کہ احکامِ اسلام کی تعلیم کے لئے کوئی معلم اُن کے ساتھ مدینہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مُصْعَب بن عُمَیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُن لوگوں کے ساتھ ہی مدینہ بھیج دیا۔

پھر اِس سے اَگلے برس ستّر یا بہتّر حضرات مدینہ سے حج کے لئے آئے اور اُن سب لوگوں نے بھی مِنٰی کی اِسی گھاٹی میں مشرف بہ اِسلام ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم سے بیعت کی، یہ بیعت تاریخ اسلام میں ''بیعتِ عقبہ ثانیہ'' کہلاتی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اُس گروہ میں سے بارہ شخصوں کو نقیب (سردارِ قوم) منتخب فرمایا، نو اَشخاص قبیلۂ خَزرج کے اور تین صاحبان قبیلۂ اَوس کے۔ اُنہی میں سے ایک نَقِیب حضرت عُبادہ بن صامِت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔(1) اسی لئے راوی نے ان کے تعارف میں یہ کہا کہ '' وَھُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ لَیْلَةَ الْعَقَبَةِ '' یعنی حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھاٹی کی رات میں مُنْتَخَب ہونے والے نَقِیبوں میں سے ایک نَقِیب ہیں اور اسی رات کا نام تاریخ اِسلام میں ''لیلۃ العَقَبہ'' ہے۔

شرحِ حدیث: اِس حدیث شریف کا مطلب ترجمہ ہی سے ظاہر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حاضرینِ مجلس سے چھ چیزوں پر بیعت لی۔ اور صحابۂ کرام نے بیعت کر کے ان گناہوں کے ترک کر دینے کا سچا وعدہ اور مُصَمَّم عَہْد کیا ﴿۱﴾ شرک نہیں کریں گے ﴿۲﴾ چوری نہیں کریں گے ﴿۳﴾ زنا نہیں کریں گے ﴿٤﴾ اپنی اَوْلاد کو مفلسی کی وجہ سے یا لڑکیوں کو عار سمجھ کر قتل نہ کریں گے ﴿٥﴾ کسی پر

(1)......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الایمان، ج۱، ص۱۹٤

تہمت نہ لگائیں گے ﴿٦﴾ کسی شرعی حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

واضح رہے کہ یہ سب وہ گناہِ کبیرہ ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ نبوت میں اتنے خوفناک اور بھیانک گناہ ہیں کہ خاص طور پر اِن گناہوں سے بچنے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام سے بذریعہ بیعت عہد لیا۔اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اِن سب گناہوں کو جہنم کا دہکتا ہوا انگارہ سمجھ کر اِن سے دور بھاگتا رہے۔

پیری مُریدی: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گناہوں کو چھوڑنے اور اعمالِ صالحہ کے کرنے پر بیعت لینی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سُنَّت ہے اور مشائخِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ''بیعتِ طریقت'' درحقیقت اسی مقدس سنت پر عمل ہے۔ یہ حدیث درحقیقت ان منکرین تصوف کے لئے زبردست تازیانہ عبرت ہے جو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ''مشائخ کی پیری مُریدی بدعت ہے'' للہ! کوئی ان صاحبوں سے پوچھے کہ آخر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو گناہوں کے ترک کرنے پر بیعت لی اس میں اور پیرانِ کِبار کی بیعت میں کیا فرق ہے دونوں بیعتیں گناہوں کے چھوڑنے ہی پر ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پیرانِ کِبار کی بیعت بدعت قرار دی جائے گی؟ مگر بڑی مشکل تو یہ ہے کہ سمجھنا اور سمجھانا تو اس شخص کے لئے ہوتا ہے جو سمجھنے کے لئے تیار بھی ہو یہ لوگ تو سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی نہ کچھ سمجھنے کو تیار ہیں نہ کچھ ماننے کو۔

مثل مشہور ہے کہ ''سوتے کو جگانا بہت آسان ہے مگر جاگتے کو جگانا بہت مشکل ہے۔'' جاہل جو سادہ وَرَق کی طرح خالیُ الذہن ہوتا ہے اس کے سامنے اگر کوئی حقیقت اجاگر کردی جائے تو اس کا دل و دماغ بہت آسانی کے ساتھ اس حقیقت کی تصدیق اور اِعتراف کرلیتا ہے اور سچے دل سے اس کو مان لیتا ہے مگر وہ پڑھے لکھے

لوگ جنہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصُّب کی عینک لگا رکھی ہے اور عِناد و اِنکار اور بحث و تکرار کی آگ نے جن کے دل و دماغ میں فہم و بَصِیرت کے آشیانوں کو جلا کر بھسم کر دیا ہے ان کے سامنے لاکھ مرتبہ کسی حقیقت کے چہرے سے نِقاب کُشائی کر دیجئے مگر نہ وہ حق کو دیکھتے ہیں نہ حق کو سنتے ہیں نہ حق کا اعتراف کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن مجید نے ارشاد فرمایا کہ

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ (1) کہ وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔

اور کہیں یہ فرمایا کہ

لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ (2) یعنی سر کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن ان کے سینوں میں چھپے ہوئے دل اندھے ہو جاتے ہیں۔

یعنی آنکھوں کی بَصارت تو رہتی ہے مگر دلوں کی بَصیرت ختم ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

برائے قُوَّتِ حافِظہ

یَا عَلِیْمُ

21 بار پڑھ کر 40 روز تک نہار منہ پئیں۔ دوسرا بھی پڑھ کر پلا سکتا ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ **حافِظہ روشن** ہو جائیگا۔

---

1 ...... ترجمۂ کنزالایمان: بہرے گونگے اندھے۔ (پ۱، البقرۃ:۱۸)

2 ...... ترجمۂ کنزالایمان: آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ (پ۱۷، الحج:۴۶)

دنیا میں لباس اور آخرت میں ننگی

حدیث:۱۳

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ اَيْقِظُوْا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْاٰخِرَةِ (1)

(بخاری، ج۱، باب العلم والعظة باللیل، ص۲۲)

ترجمہ: حضرت اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ایک رات حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو فرمایا کہ سبحان اللہ! اس رات میں کیسے کیسے فتنے اتارے گئے اور کیسے کیسے خزانے کھولے گئے ان حجرے والیوں کو (عبادت کے لئے) جگاؤ کیونکہ بہت سی عورتیں دنیا میں لباس پہنے ہوئے ہیں مگر وہ آخرت میں ننگی ہوں گی۔

اُمِّ سَلَمہ: اِس حدیث کو روایت کرنے والی اُمُّ المؤمنین بی بی اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اِن کا اصلی نام ''ہِند'' یا ''رَملہ'' ہے اور یہ ابو امیہ کی صاحبزادی ہیں۔ یہ پہلے اَبو سَلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں، حضرت اَبوسَلَمہ ان کو اور اپنے بچے کو ساتھ لے کر ہجرت کیلئے روانہ ہونے لگے تو بی بی اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے میکہ والوں نے روک لیا اور بچے کو حضرت اَبوسَلَمہ کے خاندان والوں نے چھین لیا۔ حضرت اَبوسَلَمہ بیوی بچے کو چھوڑ کر تنہا مدینہ چلے گئے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد بی بی اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بچے کو ہمراہ لے کر اکیلی ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ گئیں۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ۴ھ میں وفات پا گئے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بی بی اُمّ

(1)......صحیح البخاری، کتاب العلم، باب العلم و العظة باللیل، الحدیث:۱۱۵، ج۱، ص۶۱

سَلَمَہ سے عقد فرما کران کو اُمَّہاتُ المؤمنین میں شامل فرمالیا۔۳۷۸ حدیثیں انہوں نے حضور سے روایت کی ہیں ۵۹ھ میں ۸۴ برس کی عمر پا کر مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنتُ البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (1) (اکمال وفیوض الباری وغیرہ)

فوائد حدیث: ﴿۱﴾ اس حدیث کو حضرت امام بخاری علیہ رحمۃ اللہ الباری نے اس کے علاوہ مندرجہ ذیل اَبواب میں بھی ذکر فرمایا ہے: صلوۃُ اللیل، علاماتُ النبوۃ، کتاب الادب، کتاب اللباس، کتاب الفِتَن اور امام ترمذی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اس حدیث کو صرف کتاب الفِتَن میں درج کیا ہے۔ (2)

﴿۲﴾ خداوندِ عالَم جل جلالہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آئندہ ہونے والے فتنوں اور فتوحات کے خزانوں کا خواب میں یا بیداری میں مشاہدہ کرایا اور آپ نے ان کی کثرت کو دیکھ کر تعجب کا اِظہار فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ! آج کی رات میں کس قدر زیادہ فتنے اور خزانے آسمان سے زمین پر اتارے گئے۔

بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے گھروں میں اس طرح فتنوں کو گرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش کے قطرات مسلسل اور لگاتار زمین پر گرتے ہیں۔ (3)

﴿۳﴾ بخاری شریف کے حواشی میں ہے کہ فتنوں سے مُراد ''عذاب'' اور خزانوں سے

1 ......اکمال فی اسماء الرجال، حرف السین، فصل فی الصحابیات، ص ۵۹۹
وفیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب العلم، باب العلم والعظۃ باللیل، ج ۱، ص ۳۶۱
وشرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ، فی ذکر ازواجہ الطاھرات...الخ، ج ۴، ص ۳۹۷

2 ......عمدۃ القاری، کتاب العلم، باب العلم والعظۃ باللیل، تحت الحدیث: ۱۱۵، ج ۲، ص ۲۴۴

3 ......صحیح البخاری، کتاب المظالم و الغصب، باب الغرفۃ والعلیۃ المشرفۃ ...الخ، الحدیث: ۲۴۶۷، ج ۲، ص ۱۳۳

مراد ''رحمتیں'' ہیں اور بعض شارحینِ حدیث نے فرمایا کہ فتنوں سے مُراد آئندہ ہونے والے وہ فسادات اورلڑائیاں ہیں جواس امت کے لئے باعث فتنہ ہیں جیسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ، جنگِ جَمل ، جنگِ صِفِّین ، جنگِ حَرَّہ ، جنگِ کربلا وغیرہ جن سے بہت زیادہ فِتْنے پھیلے اور مسلمانوں کا بے حد جانی و مالی نقصان ہوا۔(1) (نووی علی المسلم ، ج۲،ص۳۸۹) اور خزانوں سے مراد وہ فتوحات ہیں جو خلفاءِ راشدین یا ان کے بعد آنے والے مسلم سلاطین کو حاصل ہوئیں کہ فارس وروم بلکہ یورپ وایشیا کے خزانے مَفْتوح ہوکر اسلامی بیتُ المال میں پہنچ گئے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم !

﴿۴﴾ اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ''حجرے والیوں'' یعنی اپنی ازواجِ مُطَہَّرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو جگانے کا حکم فرمایا تاکہ وہ اُٹھ کر نماز تَہَجُّد پڑھیں ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ مُبارک طریقہ اور عادتِ کریمہ تھی کہ جب کوئی خوفناک منظر آپ دیکھتے تھے تو فوراً نماز میں مشغول ہوجاتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے چونکہ اس وقت ازواجِ مُطَہَّرات ہی نظروں کے سامنے تھیں اس لئے آپ نے ان کو جگانے کا حکم دیا تاکہ خود بھی حضور عبادت میں مصروف ہوجائیں اور اُمت کی مائیں بھی خدا کی عبادت میں لگ جائیں ۔

﴿۵﴾ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مقدس بیویوں کو عبادت کے لیے جگانے کا حکم دیا اوراس کا سبب یہ بتایا کہ بہت سی عورتیں جو اس دنیا میں قسم قسم کے لباسوں میں ملبوس نظر آتی ہیں قیامت کے دن نیکیوں اور اَعمالِ صالحہ سے ننگی ہوں گی (2) کیونکہ آخرت

---

1 ......ارشادالساری، کتاب العلم،باب العلم والعظة بالليل، تحت الحديث:۱۱۵،ج۱،ص۳۶۶
وشرح صحيح مسلم للنووی، کتاب الفتن واشراط الساعة، ج۲، ص۳۸۹

2 ......ارشادالساری، کتاب العلم،باب العلم والعظة بالليل، تحت الحديث:۱۱۵، ج۱،ص۳۶۷

میں لباس اور جنت کی پوشاک ملنے کا دارومدار نیک اَعمال ہی پر ہے تو جن عورتوں نے دنیا میں نیکیوں کا ذخیرہ نہیں جمع کیا اور اچھے اَعمال سے خالی ہاتھ آخرت میں گئیں تو بھلا انہیں آخرت میں کہاں سے لباس ملے گا اس لئے وہ دنیا میں تو اگرچہ قسم قسم کے لباسوں میں ملبوس رہی ہیں مگر آخرت میں بالکل ہی ننگی ہوں گی اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں خصوصی طور پر اپنی بیویوں اور دوسری عورتوں کو اَعمالِ صالحہ کی ترغیب دی تاکہ وہ دنیا میں خداعزوجل کی عبادت کر کے آخرت کے لباس کا سامان کرلیں۔

مسائلِ حدیث: اِس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔

﴿۱﴾ رات میں اپنے اَہل وعِیال کو خداعزوجل کی عبادت کے لئے جگانا مستحب ہے خصوصًا ایسی صورت میں جبکہ کسی اہم واقعہ کا ظہور ہوا ہو۔

﴿۲﴾ تعجب کے مواقع پر ''سبحان اللہ'' کہنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔

﴿۳﴾ رات میں بھی نیکیوں کا حکم دینا اور بُرائیوں سے منع کرنا اور لوگوں کو مسائل دین بتانا جائز ہے۔(1)

﴿٤﴾ خاص کر اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا اوران کو ترغیب وترہیب سنانا بھی جائز ہے۔

﴿٥﴾ فقط عورتوں ہی کو وعظ سنانا بھی جائز ہے۔

﴿٦﴾ اگر کسی شخص کو کسی فتنہ یا کسی خوشخبری کی اطلاع ہوجائے تو لوگوں کو اس سے آگاہ کردینا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خُونِ ناحق

حدیث:۱٤

عَنۡ جَرِيۡرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيۡهِ وَسَلَّم قَالَ لَهٗ فِیۡ حَجَّةِ الۡوَدَاعِ: اِسۡتَنۡصِتِ

(1)......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب العلم، باب العلم والعظة باللیل، ج۱، ص۳٦۲

النَّاسَ فَقَالَ:لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (1)

(بخاری، باب الانصات للعلماء، ج۱،ص۲۳)

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ''حجۃ الوداع'' میں فرمایا کہ ''تم لوگوں کو خاموش کرو'' پھر حضور نے فرمایا کہ تم لوگ میرے بعد پلٹ کر کُفّار مت ہوجانا کہ تمہارا بعض بعض کی گردن مارے۔

حضرت جریر: اِس حدیث کے راوی حضرت جریر بن عبداللہ بَجَلی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ مشہور باکرامت محدث ابو زُرعہ کے دادا ہیں حضرت جریر بہت ہی خوبصورت اور دراز قد تھے، اتنے لمبے تھے کہ اونٹ کی کوہان تک ان کا سر پہنچتا تھا اور ان کا جوتا ایک ہاتھ لمبا ہوتا تھا۔ (2)(قسطلانی، ج۱،ص۳۸۱) ۱۰ھ میں حجۃ الوداع سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ سے ایک سو حدیثیں مروی ہیں اور آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ کوفہ سے ''قرقیس'' چلے گئے تھے وہیں ۵۱ھ میں آپ کی رحلت ہوگئی۔ (3)(فیوض الباری، ج۱،ص۲۱۰ واکمال وغیرہ)

حجۃ الوداع: اِس حدیث میں ''حجۃ الوداع'' کا ذکر آیا ہے اس کی توضیح وتشریح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ میں آخری حج فرمایا، اس حج کو ''حجۃ الوداع'' اس لیے کہتے ہیں کہ ''وَداع'' کے معنی رُخصت کرنے کے ہیں چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حج میں تمام قبائل عرب کو اس طرح رخصت فرمایا جیسے کہ دنیا سے سفر

---

1 ......صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء، الحدیث: ۱۲۱، ج۱، ص۶۳

2 ......ارشادالساری، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء، تحت الحدیث: ۱۲۱، ج۱، ص۳۷۵

3 ......اکمال فی اسماء الرجال، فصل فی الصحابۃ، ص۵۸۹ (وفیہ ''قرقیسیا'')

وفیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء، ج۱، ص۳۶۷

کرنے والا اپنے پسماندگان کو رخصت کیا کرتا ہے اس حج کا نام ''حجۃ الوداع'' ہو گیا۔

شرحِ حدیث: یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک طویل خطبہ کا ایک ٹکڑا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری حج ''حجۃ الوداع'' کے موقع پر جبکہ لوگ منیٰ میں جمروں کو کنکری مارنے کے لیے جمع تھے اس وقت یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔

حاشیہ بخاری شریف میں ہے کہ اس حدیث میں صرف دو ہی جملے ہیں ایک " لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا " دوسرا " يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ " اب دو حال سے خالی نہیں یا تو دوسرا جملہ پہلے جملے کا بیان ہے یا دو، الگ الگ مستقل جملے ہیں۔ اگر دوسرا جملہ پہلے جملے کا بیان ہو تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگ میرے بعد کافروں جیسا کام یعنی ایک دوسرے کی گردن مارنا، یہ دھندا کبھی ہرگز مت کرنا اور اگر دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان نہ قرار دیا جائے تو حدیث کا حاصل مفہوم یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں اپنی امت کو دو باتوں سے منع فرمایا ایک بات تو یہ کہ تم لوگ میرے بعد کافر مت ہو جانا بلکہ آخری دم تک اسلام پر قائم رہنا اور دوسری بات یہ کہ تم ایک دوسرے کو ناحق قتل مت کرنا۔(1)

فوائد ومسائل: ﴿۱﴾ اس حدیث کو امام بخاری نے ''مَغَازِی'' اور ''دِیَات'' میں بھی ذکر فرمایا ہے اور امام مسلم نے کتاب الایمان میں اور نسائی نے کتاب العلم میں اور ابن ماجہ نے کتاب الفِتَن میں تحریر فرمایا ہے۔(2)

﴿۲﴾ مسلمان کے قتل کو حلال سمجھ کر کسی مسلمان کا خون کر دینا کفر ہے اور مسلمان کے

(1)......حاشية بخاری، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء، ج۱، ص۲۳

(2)......عمدة القاری، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء، الحدیث: ۱۲۱، ج۲، ص۲۶۲-۲۶۳

قتل کو حرام جانتے اور مانتے ہوئے کسی مسلمان کو ناحق قتل کر دینا گناہ کبیرہ ہے جس پر قرآن مجید میں عذاب شدید کی وعید آئی ہے۔

﴿۳﴾ عالموں کی تقریر کے لیے بات چیت کرنے والے مجمع کو خاموش کرانا جائز ہے۔

﴿۴﴾ وعظ و تقریر کے وقت حاضرین مجلس کو خاموش ہو کر سکون و اطمینان کے ساتھ وعظ اور خطبہ سننا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتے کو پانی پلانے والا

حدیث:۱۵

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا رَاٰی كَلْبًا يَّاْكُلُ الثَّرٰی مِنَ الْعَطَشِ فَاَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهٗ فَجَعَلَ يَغْرِفُ لَهٗ بِهٖ حَتّٰی اَرْوَاهُ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَاَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ. [1] (بخاری، ج۱، باب اذا شرب الکلب فی الاناء، ص۲۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا تو اس شخص نے اپنا موزہ لیا اور اس میں چلو سے پانی بھر کر اس کتے کو پلایا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ کام پسند آیا اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

فوائد و مسائل: ﴿۱﴾ یہ حدیث بخاری شریف میں ''شُرب'' ''مظالم'' ''اَدَب'' ''ذِکرِ بنی اِسرائیل'' کے بابوں میں بھی مذکور ہے اور مسلم نے ''باب الحیوان'' اور ابو داود نے ''کتاب الجہاد'' میں بھی نقل کیا ہے۔ [2]

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم... الخ، الحدیث:۱۷۳، ج۱، ص۸۳

[2] ......عمدة القاری، کتاب الوضوء، باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم...الخ، تحت الحدیث:۱۷۳، ج۲، ص۴۹۱

﴿۲﴾ یہ حدیث بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی آئی ہے کہ اس حدیث کو سُن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کیا چوپایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں بھی ہم کو ثواب ملے گا؟ تو ارشاد فرمایا کہ ہاں "فِیْ کُلِّ کَبِدٍ رَطْبَۃٍ اَجْرٌ" (1) ہر گیلے جگر میں یعنی ہر جاندار کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں ثواب ہے۔ (قسطلانی، ج۱، ص۴۴۲) اور یہی حدیث انہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے اسی بخاری شریف میں اس طرح بھی آئی ہے کہ

ایک شخص پر راستہ چلتے ہوئے پیاس کا غلبہ ہوا تو اس کو ایک کنواں ملا اُس نے کنویں میں اُتر کر پانی پی لیا پھر جب وہ کنویں میں سے نکلا تو ناگہاں یہ دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے ہوئے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے تو اس آدمی نے دل میں یہ سوچا کہ جیسی پیاس مجھ کو لگی تھی ایسی ہی پیاس اس کتے کو بھی لگی ہے تو وہ کنویں میں اتر کر اپنے موزہ میں پانی بھر کر لایا پھر کتے کو پلایا تو اس کا یہ عمل خدا کو پسند آ گیا اور اس کو بخش دیا۔ یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا ہمارے لیے چوپایوں کے ساتھ احسان کرنے میں ثواب ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ہاں! ہر گیلے جگر میں یعنی ہر جاندار کے ساتھ احسان کرنے میں ثواب ہے۔ (2)

﴿۳﴾ اس روایت میں تو یہ واقعہ بنی اسرائیل کے ایک مرد کا ہے مگر بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں اسی قسم کا ایک واقعہ زنا کار عورت کا بھی بیان ہوا ہے چنانچہ

(1) ......ارشادالساری، کتاب الوضوء، باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم ...الخ، تحت الحدیث: ۱۷۳، ج۱، ص۴۵۷

(2) ......صحیح البخاری، کتاب المظالم والغصب، باب الآبار علی الطرق...الخ، الحدیث: ۲٤٦٦، ج۲، ص۱۳۳

اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ غُـفِرَ لِامْرَأَةٍ مُومِسَةٍ مَرَّتُ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ قَالَ: كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهٗ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذَالِكَ (1) (بخاری، باب اذا وقع الذباب، ج ا، ص ۴۶۷)

یعنی ایک زنا کار عورت کی مغفرت اس طرح ہوگئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری جو ایک کنویں کے پاس زبان نکالے ہوئے تھا اور قریب تھا کہ پیاس کی شدت اس کو مار ڈالے تو اس عورت نے اپنا موزہ نکالا اور اس کو اپنے دوپٹے میں باندھ کر کنویں میں سے پانی بھر کر اس کو پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اس عمل کے اجر میں اس کو بخش دیا۔

﴿٤﴾ اس حدیث میں تمام مخلوق پر رحم و کرم کرنے کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ فاعلِ مختار ہے وہ چاہے تو ایک بہت ہی ادنیٰ سے نیک عمل کرنے والے کو اپنے فضل و کرم سے بخش دے۔ اس کے دربار میں عمل کے وزن اور مقدار کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس کی بارگاہ میں خلوصِ نیت اور اخلاصِ عمل کی قدر ہے، بہت ہی معمولی عمل اگر بندہ اِخلاص و نیک نیتی کے ساتھ کرے تو وہ ربِّ کریم اس عمل کے ثواب میں بندے کو اپنے رضوان و غفران کی نعمتوں سے سرفراز فرما کر اس کو جنت الفردوس کا مکین بنا دیتا ہے۔

رحمتِ حق بہانہ می جوید رحمت حق بہا، نمی جوید

خدا کی رحمت بندوں کو بخشنے کا بہانہ ڈھونڈتی ہے۔ خدا کی رحمت بندوں سے مغفرت کی قیمت نہیں طلب کرتی ہے۔

﴿٥﴾ امام نَوَوِی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے حدیث مذکور کے تحت میں فرمایا کہ اَلْمُحْتَرَمُ يَحْصُلُ

---

(1)......صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا وقع الذباب فی شراب احدکم ...الخ، الحدیث: ۳۳۲۱، ج ۲، ص ۴۰۹

الثَّوَابُ بِالْاِحْسَانِ اِلَیْهِ لَا غَیْرُ الْمُحْتَرَمِ کَالْحَرْبِیِّ وَالْکَلْبِ الْعَقُوْرِ (1)

(قسطلانی، ج۱،ص۴۴۱)

یعنی اس حدیث میں ہر مخلوق کے ساتھ احسان کرنے کی جو ترغیب دلائی گئی ہے اس سے وہی مخلوق مُراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محترم اور قابلِ اعزاز ہے، ورنہ وہ مخلوق جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محترم اور قابلِ عزت نہیں ہے جیسے کافر حربی اور لوگوں کو کاٹنے والا کتا، ان کے ساتھ احسان کرنے میں کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔

﴿٦﴾ جب جانوروں کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کا یہ درجہ ہے کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلا دینے والا جنت میں داخل ہو گیا تو بھوکے پیاسے مومنوں کو کھانا پانی سے سیراب کرنے والا کتنے بڑے بڑے اجر عظیم کا مستحق ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو بہشت میں کیسے کیسے مَدارِج و مَنازِل عطا فرمائے گا اس کی کیفیت و کَمِّیت کو بھلا ''عَلَّامُ الْغُیُوب'' کے سوا اور کون جان سکتا ہے وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اللہ کا فضل و کرم بہت ہی بڑا ہے۔

بلی کو بھوک سے مارنے والی

حدیث:١٦

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: دَخَلَتْ اِمْرَأَةٌ النَّارَ فِیْ هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْکُلُ مِنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ (2)

(بخاری، باب خمس من الدواب، ج۱،ص۴۶۷)

---

1 ……ارشاد السّاری، کتاب المساقاة، باب فضل سقی الماء، تحت الحدیث:۲۳۶۳، ج۵، ص۳۹۸
وشرح صحیح مسلم للنووی، کتاب قتل الحیات وغیرها، باب سقی البهائم المحترمة واطعامها، ج۲، ص۲۳۷ ملخصاً

2 ……صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب خمس من الدواب...الخ، الحدیث:۳۳۱۸، ج۲، ص۴۰۸

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت ایک بلی کے معاملہ میں جہنم میں داخل ہوئی۔ اُس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا نہ تو اس کو کچھ کھلایا نہ اس کو چھوڑا کہ وہ حشرات الارض کو کھاتی۔ (یہاں تک کہ وہ بھوکی مرگئی)

حضرت ابن عمر: اس حدیث کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کا نام عبداللہ ہے اور یہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامور فرزند ہیں۔ بچپن ہی میں اپنے والد ماجد کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہجرت کرکے مدینہ گئے جنگِ خَنْدَق اور بیعۃ الرضوان وغیرہ میں شریک ہوئے۔ انتہائی عابدوزاہد اور متقی و پرہیزگار صحابی ہیں۔ اپنی زندگی میں ایک ہزار سے زائد غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سے ہر شخص کے پاس دُنیا آ گئی ہے مگر حضرت عبداللہ اور ان کے والد امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس سے دُنیا کا گزر نہیں ہوا۔ میمون بن مہران تابعی کہا کرتے تھے: میں نے ابن عمر سے بڑھ کر متقی اور ابن عباس سے بڑھ کر علم والا کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک ہزار چھ سو تیس حدیثیں آپ نے روایت فرمائی ہیں۔ جن میں سے ایک سو ستر حدیثیں ایسی ہیں کہ وہ بخاری شریف و مسلم دونوں کتابوں میں ہیں اور اکیاسی حدیثیں وہ ہیں جو صرف بخاری شریف میں ہیں اور اکتیس حدیثیں ایسی ہیں جو صرف مسلم شریف میں ہیں۔ علم فقہ و حدیث میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے اور ان کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ جن میں حضرت سالم وحمزہ وعبیداللہ وامام نافع جیسے بلند پایہ فقہا ومحدثین ہیں۔

حَجَّاج بن یوسف ثَقَفی ظالم گورنر کو آپ حج کے مسائل اور دوسرے شرعی معاملات

میں ٹوکتے رہتے تھے۔اس ظالم کو یہ ناگوار ہوا اور اس نے اپنے ایک سپاہی کے ذریعہ زہر آلود بَرچھی سے آپ کے پاؤں کے تلے میں زخم لگوا دیا جس سے سارے بدن میں زہر کا اثر پھیل گیا اور آپ مکہ مکرمہ میں علیل ہو گئے۔مکار حجاج بن یوسف ظالم آپ کی بیمار پُرسی کے لئے آیا۔آپ اسی علالت میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے تین ماہ بعد ۷۳ھ میں چوراسی یا چھیاسی سال کی عمر میں وصال فرما گئے اور مکہ مکرمہ کے قبرستانِ مہاجرین ذی طویٰ میں مدفون ہوئے۔(1) (اکمال مع حاشیہ)

فوائد و مسائل: ﴿۱﴾ یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں متعدد روایتوں اور مختلف لفظوں کے ساتھ بہت جگہ آئی ہے۔ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم میں دیکھا کہ وہ بلی اُس عورت کو نوچ رہی ہے۔(2)

(بخاری، ج۱، ص ۳۱۸)

﴿۲﴾ جس طرح اس سے پہلے والی حدیث میں جانوروں پر رحم اور احسان کرنے کی اہمیت کو ظاہر کیا گیا ہے اسی طرح اس حدیث میں جانوروں پر ظلم کرنے کی بُرائی اور اس کے بُرے انجام کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ عورت ایک بلی کو ظلم سے مار ڈالنے کی وجہ سے جہنم میں گئی۔

﴿۳﴾ امام نووی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بلی یا کسی بھی جانور کو بھوکا پیاسا باندھے رہنا یا قید میں رکھنا حرام ہے کیونکہ یہ عورت باوجود مسلمان ہونے کے اسی گناہ کی وجہ سے جہنم میں داخل کی گئی۔اور اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ جانوروں کا چارا پانی مالک کے اُوپر واجب ہے۔اگر مالک اپنے جانوروں کو بھوکا پیاسا

(1) ......اکمال فی اسماء الرجال مع حاشیۃ،حرف العین،فصل فی الصحابۃ، ص ۶۰۴۔۶۰۵

(2) ......صحیح البخاری، کتاب المساقاۃ،باب فضل سقی الماء، الحدیث:۲۳۶۴ ج۲، ص۹۹

رکھے گا تو گناہگار ہوگا۔(1)(نووی علی المسلم ،ج۲،ص۲۳۶)

﴿۴﴾ غیر موذی جانوروں پر کسی قسم کا ظلم کرنا حرام ہے۔ جولوگ گھوڑوں، گدھوں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادتے ہیں یا بلاوجہ مارتے پیٹتے ہیں یا تفریح کے طور پر بلا ضرورت جانوروں کو زدوکوب کرتے رہتے ہیں ان لوگوں کے لیے اس حدیث میں لرزہ بَراَنْدام کرنے والی اورعبرت خیز وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کوظلم کے گناہ سے محفوظ رکھے۔(آمین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم اپنی ہی ذات کونقصان پہنچاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیوں نہیں! (ظالم کے ظلم کی نُحوست سے باری تعالیٰ بارش بندفرمادیتا ہے تو)حُباریٰ (ایک پرند) اپنے گھونسلے میں لاغر ہوکر ظالم کے ظلم کی وجہ سے مرجاتی ہے۔(2)(مشکوٰۃ،باب الظلم)

بہرحال ظلم خواہ کسی انسان پر ہو یا کسی جانور پر بہرحال حرام اور جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَعظ کے لیے دن مقرّر کرنا

حدیث:۱۷

عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ: کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ یُذَکِّرُ النَّاسَ فِیْ کُلِّ خَمِیْسٍ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ: یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ اَنَّکَ ذَکَّرْتَنَا کُلَّ یَوْمٍ. قَالَ: اَمَا اِنَّہٗ یَمْنَعُنِیْ

......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب قتل الحیات وغیرھا،باب تحریم قتل الھرۃ، ج۲، ص۲۳۶

......مشکاۃالمصابیح، کتاب الآداب،باب الظلم، الحدیث:۵۱۳۶، ج۲، ص۲۳۷ و مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب،باب الظلم، الحدیث:۵۱۳۶، ج۸، ص۸۵۹

مِنْ ذٰلِكَ اَنِّیْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ وَاِنِّیْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَیْنَا.(1)

(بخاری، باب من جعل لاھل العلم ایاما معلومة، ج۱،ص۱۶)

ترجمہ: حضرت ابووائل (شقیق بن سلمہ) سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعرات کے دن وعظ فرمایا کرتے تھے تو ایک آدمی نے ان سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! میری تمنا ہے کہ آپ روزانہ ہم کو وعظ سُنایا کریں تو آپ نے فرمایا کہ (روزانہ وعظ کہنے سے) جو چیز مجھے روکتی ہے وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کو تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا اور تمہاری فرصت کا خیال رکھتا ہوں جیسے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وعظ سنانے میں ہماری فرصت کا خیال رکھتے تھے اس خوف سے کہ ہم اکتا نہ جائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود: اس حدیث کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت جامع فضائل وکمالات ہیں ابتدا ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس لیے سابقین اولین میں آپ کا شمار ہے۔

یہاں تک کہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ چھٹے مسلمان ہیں۔ مکہ سے حبشہ اور حبشہ سے مدینہ دونوں ہجرتوں کا شرف آپ کو حاصل ہے۔ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن اور لقب "صَاحِبُ النَّعْلَیْنِ وَالْوِسَادَةِ وَالْمِطْهَرَةِ" ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین اور مَسْنَد، نیز وضو کا برتن اور مسواک وغیرہ آپ ہی کی تحویل میں رہتی تھیں۔ جنگ بدر اور دوسری لڑائیوں میں بھی شریک جہاد رہے اور عمر بھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس طرح حاضر باش اور راز دار رہے کہ باہر سے آنے والے لوگ آپ کو

......صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من جعل لاھل العلم ایاما معلومة، الحدیث: ۷۰، ج ۱، ص ۴۲

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ آپ بہت ہی دبلے پتلے اور پستہ قد تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو جنت کی بشارت دی اور یہ فرمایا کہ میں اپنی امت کے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو یہ پسند کریں اور اسی کو ناپسند سمجھتا ہوں جس کو یہ ناپسند کریں۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں کوفہ کے قاضی اور بیت المال کے منیجر رہے آٹھ سو اڑتالیس حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ فقہ حنفی کا دارومدار زیادہ تر آپ ہی کی روایات پر ہے۔ آخری عمر میں آپ کوفہ سے مدینہ چلے آئے اور ۳۲ھ میں ساٹھ سال سے زیادہ عمر پا کر وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (1)

(اکمال وفیوض الباری، ص ۱۰۸)

فوائد ومسائل: ﴿۱﴾ اس حدیث کو امام بخاری نے اس کے علاوہ ''کتاب الدعوات'' میں اور مسلم نے باب توبہ میں اور ترمذی نے باب اِسْتِیْذان میں ذکر کیا ہے۔

﴿۲﴾ حدیث کا مطلب واضح ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت میں وعظ فرمایا کرتے تھے جب لوگ اپنے کام دھندے سے فرصت پا کر اطمینان سے سن سکیں۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود ہفتہ میں ایک ہی مرتبہ جمعرات کے دن اپنے وعظ کا پروگرام رکھتے تھے تاکہ لوگ اس دن اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر اور فرصت پا کر سکون واطمینان کے ساتھ وعظ سن سکیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وعظ کے جلسوں کے لیے وقت اور دن مقرر کر دینے میں سامعین کو بڑی آسانی ہوا کرتی ہے کیوں کہ جب لوگوں کو پہلے سے معلوم رہتا ہے کہ فلاں دن اور فلاں وقت وعظ ہونے والا ہے تو لوگ اپنے کاموں

---

1 ......اکمال فی اسماء الرجال، حرف العین، فصل فی الصحابة، ص ۶۰۵
وفیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، ج ۱، ص ۱۷۰

سے فارغ ہوکر اور فرصت کا وقت نکال کر شوق سے وَعْظوں کے جلسوں میں شامل ہوتے ہیں اور ان کے کاروبار کا پروگرام بھی نہیں بگڑتا۔

﴿۳﴾ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ محفلِ میلاد شریف، جلسۂ رجبی شریف، جلسۂ بارہویں شریف، جلسۂ گیارہویں شریف وغیرہ کے لئے وقت اور دن مقرر کرنا ہرگز ہرگز بدعت اور گناہ نہیں ہے بلکہ ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ ہے کہ آپ نے جمعرات کے دن کو وعظ کے لیے معین اور مقرر فرمادیا تھا۔

جو لوگ میلاد شریف میں تعیینِ وقت اور تَداعی (ایک دوسرے کو دعوت دینے) سے چڑتے اور منہ بگاڑتے ہیں اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں اگر وہ تَعَصُّب اور ہٹ دھرمی کی عینک اتار کر اس حدیث کو دیکھ لیں تو ان پر بھی اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا کہ کسی جائز کام کو دن مقرر کر کے کرنا نہ صرف جائز بلکہ اخلاص و نیتِ خیر کے ساتھ ہو تو مُسْتَحَب و مُسْتَحْسَن بھی ہے۔

﴿٤﴾ اس حدیث سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ علماءِ کرام کا فرضِ منصبی ہے کہ وہ اپنے مَواعِظ اور تقریروں کے ذریعہ عوام میں تبلیغ و تذکیر کرتے رہیں۔ صحابۂ کرام اور تابعین و تبع تابعین بلکہ ان کے بعد کے علماء بھی برابر عوام کی اصلاح اور تبلیغ اسلام کی غرض سے وعظ و تقریر فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول تو یہ تھا کہ اگر تم لوگ میری گردن پر تلوار رکھ دو اور پھر اس حالت میں بھی اگر میں یہ سمجھ لوں کہ گردن کٹنے سے پہلے میں ایک بات جو میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سُنی ہے اس کو تم لوگوں تک پہنچا سکوں گا تو اس کو ضرور پہنچا دوں گا۔ (1) (بخاری، ج ۱، ص ۱۶)

......صحیح البخاری، کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل، ج ۱، ص ٤٢

﴿۵﴾اس حدیث میں "اِنِّیْ اَکْرَہُ اَنْ اُمِلَّکُمْ" کے جملے سے یہ مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ عالموں کو اپنے وعظوں میں اس کا لحاظ و خیال رکھنا چاہیے کہ لوگ وعظ سے اکتا کر رَنج و مَلال میں نہ پڑ جائیں لہٰذا اتنی ہی دیر تک وعظ بیان کرنا چاہیے جب تک لوگ نِشاط اور شوق کے ساتھ سنتے رہیں۔ وعظ کو اتنا طول نہیں دینا چاہیے کہ لوگ گھبرا کر بددلی کے ساتھ سننے لگیں ورنہ اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے کلام و احکام کو سننے میں بے رغبتی کا گناہ لازم آئے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

فتنوں کا سیلاب

حدیث:۱۸

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّہٗ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْشِکُ اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَتْبَعُ بِھَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَ مَوَاقِعَ الْقَطْرِ یَفِرُّ بِدِیْنِہٖ مِنَ الْفِتَنِ۔ (1) (بخاری، باب من الدین الفرار من الفتن، ج۱، ص۷)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے پیچھے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر بھاگتا ہوا چلا جائے گا تاکہ وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچالے۔

حضرت ابوسعید خُدری: اِس حدیث کے راوی ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی ہیں۔ اِن کا نام سعد بن مالک ہے اور یہ انصار کے قبیلہ "خَزْرَج" سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِن کے مورث اعلیٰ کا نام "خُدْرہ" تھا اس لیے "خُدْری" کہلاتے ہیں۔ ۷۴ھ میں

---

(1)......صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من الدین الفرار من الفتن، الحدیث:۱۹، ج۱، ص۱۸

چوراسی برس کی عمر پا کر انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔(1) (اکمال)

تیرہ غزوات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریکِ جہاد رہے۔ایک سوستّر حدیثیں آپ سے مروی ہیں اور بخاری شریف میں باسٹھ حدیثیں آپ کی روایت کی ہوئی مذکور ہیں۔(2) (فیوض الباری، ج۱،ص۱۶۴) مگر قسطلانی نے لکھا ہے کہ بخاری شریف میں آپ کی روایت سے چھیاسٹھ حدیثیں ہیں۔(3)

(ارشادالساری، ج۱،ص۲۲۷)

توضیحِ اَلفاظ: اِس حدیث کے چند اَلفاظ کی توضیح حسبِ ذیل ہے:

''غَنَم'' بکری کو کہتے ہیں، اسم مؤنث ہے، نر و مادہ دونوں کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔''شَعَف'' پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں اس کی جمع ''شِعاف'' ہے۔(4)

''فِتَن'' فتنہ کی جمع ہے اس کے مندرجہ ذیل معانی آتے ہیں:

آزمائش، گمراہی، شرک، رسوائی، رنج، دیوانگی، عبرت، عذاب، مرض، مال واولاد، اختلاف، جنگ وجِدال۔(5) (المنجد وغیرہ)

مگر اس حدیث میں اور عام طور پر ''کتاب الفِتَن'' کی حدیثوں میں فتنہ سے مُراد ''اختلافِ اُمّت'' اور وہ فسادات ہیں جو دین میں خرابی پڑ جانے کا باعث ہیں۔(نووی وغیرہ)

(1)......اکمال فی اسماء الرجال، حرف السین، فصل فی الصحابة، ص۵۹۸

(2)......فیوض الباری، پارہ اوّل، کتاب الایمان، باب من الدین الفرارمن الفتن، ج۱، ص۲۰۱

(3)......ارشاد الساری، کتاب الایمان، باب من الدین الفرار من الفتن، تحت الحدیث:۱۹، ج۱، ص۱۷۳

(4)......عمدة القاری، کتاب الایمان، باب من الدین الفرار من الفتن، تحت الحدیث:۱۹، ج۱، ص۲۴۷

(5)......المنجد، حرف الفاء، ص۵۶۸

شرحِ حدیث: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث میں غیب کی خبر دے رہے ہیں کہ میرے بعد عنقریب میری اُمّت میں بہت سے فتنے پیدا ہوجائیں گے۔ اُس وقت مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہونگی کہ مسلمان ان کو اپنے ساتھ لے کر اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا کر گوشہ نشین ہوجائے گا۔ بکریوں کا دودھ پیتا رہے گا اور خدا کی عبادت کرتا رہے گا۔ اس زمانے میں روپیہ پیسہ مومن کا بہترین مال نہیں رہے گا۔ کیونکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر روپیہ پیسہ کچھ کام نہیں آئے گا اور شہروں میں جہاں روپیوں پیسوں سے کام چلتا ہے اس قدر فتنے ہوں گے کہ ایک مومن کے لیے آبادیوں میں اپنے دین کو فتنوں سے بچانا بہت دشوار ہوجائے گا۔

اس حدیث میں خاص طور پر پہاڑوں کی چوٹیوں پر مومن کے جانے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ ایسے مقامات عموماً فتنہ وفساد سے محفوظ رہتے ہیں اور مویشیوں میں سے خصوصیت کے ساتھ بکریوں کا تذکرہ اس لیے فرمایا کہ اونٹوں، گایوں، بھینسوں کی نسبت بکریوں کو لے کر پہاڑ کی چوٹیوں پر جانا اور وہاں ان کی نگہداشت بہت آسان ہے کیونکہ بکری بہت ہی مسکین صِفت جانور ہے۔ اس میں بدک کر بھاگنے اور سرکشی و اِیذا رَسانی کی صِفت نہیں ہے۔ اس کا دودھ بھی بے ضرر ہے اور یہ بہت ہی بابرکت جانور بھی ہے کیونکہ خدا کے ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں اس لیے بکریوں کو چرانا سُنّت بھی ہے ورنہ فتنوں سے بچنے کے لیے گوشہ نشینی کے واسطے بکری ہی لے کر جانا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ جس کے پاس اُونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں کے پاس چراگاہ میں چلا جائے اور جس کے پاس بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں کے ریوڑ میں چلا جائے اور جس کے پاس زمین ہو وہ اپنی زمین پر

چلا جائے۔(1)(مسلم شریف، کتاب الفِتَن، ج۲،ص۳۸۹)

فوائدومسائل: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے علاوہ دوسری سینکڑوں حدیثوں میں اپنی امت کو ان فتنوں سے آگاہ فرمایا ہے جو زمانۂ نبوت کے بعد وقوع پذیر ہونے والے ہیں اور ان فتنوں سے پناہ مانگنے اور ان سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ سینکڑوں حدیثوں میں سے صرف دو حدیثیں پیش کرتا ہوں۔

﴿۱﴾ عنقریب کچھ فتنے ایسے رونما ہوں گے کہ ان فتنوں کے وقت میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اور جو فتنوں کا سامنا کرے گا فتنے اس پر غالب آجائیں گے لہٰذا جو شخص کوئی ٹھکانہ یا جائے پناہ پا جائے تو اُس کو چاہیے کہ وہ وہاں جا کر فتنوں سے بچ جائے۔(2)(بخاری، ج۲،ص۱۰۴۸)

﴿۲﴾ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ ان فتنوں کے آنے سے پہلے ہی جلدی جلدی اعمالِ صالحہ کرلو جو فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کے مثل ہوں گے۔ ان فتنوں میں آدمی صبح کو مومن اور شام تک کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن رہے گا اور صبح تک کافر ہو جائے گا، دنیا کے حقیر سامانوں کے بدلے اپنا دین بیچ ڈالے گا۔(3)

(مسلم ومشکوٰۃ، کتاب الفِتَن)

غرض فتنوں کے بارے میں اس قسم کی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

---

(1)……صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعۃ، باب نزول الفتن کمواقع القطر، الحدیث:۲۸۸۷،ص۱۵۴۲

(2)……صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، الحدیث:۳۶۰۱، ج۲،ص۵۰۰

(3)……مشکاۃ المصابیح، کتاب الفتن، الفصل الاوّل، الحدیث:۵۳۸۳، ج۲، ص۲۷۹

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فتنوں کے دور میں ایمان کی حفاظت کے لیے اس حدیث میں ایک تدبیر بتائی ہے کہ جب اس قسم کے فتنے نمودار ہوں کہ بستیوں اور آبادیوں میں دین خراب ہونے کا اندیشہ پیدا ہوجائے تو مومن کو چاہیے کہ گوشہ نشینی اختیار کرلے تاکہ فتنوں سے مَحفوظ رہے۔

گوشہ نشینی: اِس مسئلہ میں اِختلاف ہے کہ فتنوں کے دور میں مومن کے لیے گوشہ نشینی بہتر ہے یا آبادیوں میں رہ کر فتنوں کا مقابلہ کرنا بہتر ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ فتنوں کے وقت میں گوشہ نشینی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ایسا کرنے میں تعلیم وتَعلُّم کا دروازہ بند ہوجائے گا اور آدمی جُمعہ وجماعت کی فضیلتوں سے محروم ہوجائے گا۔

اور دوسرے علماء کا قول ہے کہ فتنوں کے دور میں گوشہ نشینی ہی بہتر ہے تاکہ آدمی فتنوں سے مَحفوظ رہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اس مسئلہ کا دارومدار احوال وماحول اور فتنوں کی نوعیت پر ہے اگر فتنے اس قدر شدید ہیں کہ یہ نہ ان کو دفع کرسکتا ہے نہ ان کا مقابلہ کرسکتا ہے بلکہ شدید خطرہ ہے کہ یہ خود فتنوں کے طوفان میں اپنا دین کھو بیٹھے گا تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں اس شخص کے لیے گوشہ نشینی ہی بہتر ہے اور اگر یہ شخص فتنوں کا مقابلہ کرکے فتنوں کو ختم کرسکتا ہے یا خود فتنوں سے بچ کر اُمتِ رسول کو بھی بچاسکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس شخص کے لیے گوشہ نشینی ہرگز ہرگز جائز نہیں ہوسکتی بلکہ اس شخص پر واجب ہے کہ شہروں اور قصبوں میں رہ کر فتنوں کا مقابلہ کرے اور ان فتنوں کو دفع کرنے کی سعی بلیغ کرتا رہے۔(1) اس حدیث میں بکریوں کو ساتھ لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جانے کا

......ارشاد الساری، کتاب الایمان، باب من الدین الفرار من الفتن، تحت الحدیث: ۱۹، ج ۱، ص ۱۷۴
وعمدۃ القاری، کتاب الایمان، باب من الدین الفرار من الفتن، تحت الحدیث: ۱۹، ج ۱، ص ۲۴۸

جو ذکر ہے وہ اسی صورت میں ہے جب کہ مومن کو فتنوں کے مدافعت کی طاقت نہ ہو بلکہ خود فتنوں میں مبتلا ہونے کا یقین یا ظنِ غالب ہو چکا ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے جو اس مضمون پر شاہد عادل ہے۔

حضرت اَبُوثَعْلَبہ خُشَنِّی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لوگوں نے اس آیت کے بارے میں سوال کیا کہ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (1) تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا تو حضور نے فرمایا کہ تم لوگ ہمیشہ نیکی کا حکم دیتے رہو اور بدی سے منع کرتے رہو یہاں تک کہ جب تم یہ دیکھ لو کہ ہر شخص بخل کا پیروکار بن گیا اور سب لوگ دنیا کو دین پر ترجیح دینے لگے اور ہر شخص اپنی ہی رائے کو سب سے بہتر سمجھنے لگا، اور تم ایسے فتنوں کو دیکھ لو کہ ان سے بچنا دشوار ہو جائے تو پھر تم لوگ اپنی ہی ذات کو لازم پکڑ لو اور عوام کے معاملہ کو بالکل چھوڑ دو (یعنی گوشہ نشین ہو جاؤ) کیونکہ تمہارے بعد صبر کے دن آرہے ہیں جو اُن دنوں میں صبر کرلے گا گویا ہاتھ میں آگ کا انگارہ لے گا۔ اُن دنوں میں جو نیک اعمال کرے گا اس کو پچاس آدمیوں کے اعمالِ صالحہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان لوگوں میں سے پچاس آدمیوں کے اعمالِ صالحہ کا اجر اس کو ملے گا یا ہم صحابہ کے پچاس آدمیوں کے اعمالِ صالحہ کا ثواب اس کو ملے گا؟ تو ارشاد فرمایا کہ تم (صحابہ) میں سے پچاس آدمیوں کے اعمالِ صالحہ کا ثواب اس کو ملے گا۔ (2)

(مشکوٰۃ، باب الامر بالمعروف) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

1 ...... ترجمۂ کنزالایمان: تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ پر ہو۔ (پ۷، المآئدۃ:۱۰۵)

2 ......مشکاۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الامر بالمعروف، الحدیث:۵۱۴۴، ج۲، ص۲۳۹

آقا اور غلام ایک لباس میں

حدیث:۱۹

عَنِ الْمَعْرُوْرِ قَالَ: لَقِيْتُ اَبَاذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلٰى غُلَامِهٖ حُلَّةٌ فَسَئَلْتُهٗ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ: اِنِّيْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهٗ بِاُمِّهٖ فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا اَبَاذَرٍّ اَعَيَّرْتَهٗ بِاُمِّهٖ اِنَّكَ اِمْرَءٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَ لْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ. (1)

(بخاری، باب المعاصی من امر الجاہلیۃ، ج۱ص۹)

ترجمہ: حضرت مَعْرور سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابو ذرِغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ''رَبَذَہ'' میں ملاقات کی، وہ اوران کا غلام ایک ہی جیسا جوڑا پہنے ہوئے تھے تو میں نے اس کے بارے میں ان سے سوال کیا تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص سے گالی گلوچ کی اوراس کو ماں کی گالی دی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر! تم نے اس کو ماں کی گالی دی تم ایسے آدمی ہو کہ تمہارے اندر جاہلیت کی خَصلت ہے تمہارے لونڈی غلام تمہارے (دینی) بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تمہارا ماتحت بنا دیا ہے تو جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو اس کو چاہئے کہ جوخود کھائے اس کو کھلائے اور جوخود پہنے اس کو پہنائے اورتم ان خادموں کو ایسے کاموں کی تکلیف مت دو جو انہیں لاچار کردے اور اگرتم ایسی تکلیف دوتو خود

---

(1)......صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاهلية...الخ، الحدیث: ۳۰، ج ۱، ص ۲۳

بھی کام میں ان کی مدد کرو۔

حضرت اَبُوذَر: یہ بہت ہی قدیم الاسلام صحابی ہیں یہاں تک کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ اسلام قبول کرنے میں باہری لوگوں کے اندران کا پانچواں نمبر ہے ان کے مسلمان ہونے کا پورا حال بخاری شریف میں مُفَصَّل مذکور ہے۔ اسلام لانے کے بعد سترہ دِنوں تک یہ صرف آب زم زم پی کر مسجد کعبہ میں مقیم رہے روزانہ یہ چلا چلا کر مجمع کفار میں اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے اور کفار مکہ ان کو اس قدر مارتے تھے کہ یہ لہولہان ہو کر بے ہوش ہو جاتے تھے مگر ہوش میں آنے کے بعد پھر اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے۔

ان کا اسم گرامی ''جُنْدُب بن جُنادَہ'' ہے۔ بہت ہی عابد و زاہد اور انتہائی متقی صحابی ہیں۔ دوسو اکیاسی حدیثیں آپ نے روایت کی ہیں ۳۲ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بمقام ''رَبَذَہ'' آپ کا وصال ہوا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔(1)

رَبَذَہ: مدینۂ منورہ سے تین منزل دور ایک جگہ کا نام ہے۔(2) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر غم زدہ ہو کر حضرت ابوذر مدینہ منورہ سے ملک شام چلے گئے تھے۔ وہاں شام کے گورنر حضرت امیر مُعاوِیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا ایک مسئلہ میں اختلاف ہو گیا تو حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوذر کو ملک شام سے بلا کر ''رَبَذَہ'' میں قیام کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ یہ آخری دم تک ''رَبَذَہ'' ہی میں رہے۔

---

(1)......اکمال فی اسماء الرجال، حرف الذال، فصل فی الصحابة،ص ۵۹۴

وفیوض الباری،پارہ اوّل، کتاب الایمان،باب المعاصی من امرالجاھلیة...الخ،ج۱،ص ۲۲۴

(2)......ارشاد الساری، کتاب الایمان،باب المعاصی من امر الجاھلیة...الخ، تحت الحدیث: ۳۰، ج۱،ص ۱۹۷

شرحِ حدیث: حدیث مذکور کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ جناب مَعْرور جب حضرت ابوذَر کی ملاقات کے لیے رَبَذَہ حاضر ہوئے تو یہ منظر دیکھا کہ آپ کے اور آپ کے غلام کے بدن پر بالکل ایک ہی قسم کا جوڑا ہے۔ آقا اور غلام دونوں کا لباس یکساں دیکھ کر قدرتی طور پر جناب مَعْرور کے دل میں اس سوال نے سر اٹھایا کہ آخر ایسا کیوں ہے کہ آقا اور غلام دونوں ایک ہی قسم کے لباس میں ملبوس ہیں تو آپ نے حضرت اَبوذَر سے اس کے متعلق سوال کیا تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ میں نے ایک شخص کو ایک مرتبہ ماں کی گالی دے دی اس شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے میری شکایت کردی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سَرزَنِش کے طور پر مجھ سے فرمایا کہ کیا تو نے اس کو ماں کی گالی دی ہے۔ اے ابوذر! رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہونے کے بعد بھی تیرے اندر زمانۂ جاہلیت کی خَصْلَت باقی ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ نصیحت فرمائی کہ تم اپنے لونڈی غلاموں اور نوکروں چاکروں کو ہرگز ہرگز حقیر و ذلیل مت سمجھو بلکہ یہ سمجھو کہ یہ تمہارے دینی بھائی ہیں جن کو خدا نے تمہارے ماتحت بنا کر تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے۔ لہٰذا اگر تمہارا کوئی دینی بھائی تمہارا ماتحت اور تمہارا غلام ہو تو اس کے ساتھ برادرانہ سلوک کرو یہاں تک کہ جو تم خود کھاتے ہو وہی اس کو کھلاؤ اور جو تم خود پہنتے ہو وہی اس کو بھی پہناؤ اور ان لوگوں سے ان کی طاقت سے زیادہ مشقت کا کام نہ کراؤ اور اگر کوئی مشقت کا کام ان لوگوں کے سپرد کرو تو تم خود بھی ان لوگوں کی مدد کرو۔ اس لیے میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اپنا یہ دستور بنالیا ہے کہ میں جو کھاتا ہوں وہی اپنے غلام کو بھی کھلاتا ہوں اور جس قسم کا جوڑا خود پہنتا ہوں اسی قسم کا

جوڑا اپنے غلام کو بھی پہناتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ تم میرا اور میرے غلام کا لباس ایک ہی جیسا دیکھ رہے ہو۔

حضرت اَبوذَر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک شاہکار: حضرت اَبوذَر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جس شخص کو ماں کی گالی دی تھی وہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔ کیا گالی دی تھی بس اتنا کہہ دیا تھا کہ (اے کالی ماں کے بیٹے) حضرت بلال نے جب دربارِ رسالت میں اس کی شکایت کی تو سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اَبوذَر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ڈانٹا اور نصیحت فرمائی۔ اس کے بعد حضرت اَبوذَر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اس کا کیا ردعمل ہوا، یہ بہت ہی لرزہ بَراَندام کردینے والی داستان ہے۔ اس کو بار بار پڑھتے رہیے اور خدا کے خوف سے ڈرتے رہیے۔

دربارِ رسالت کی ملامت سُن کر فوراً ہی حضرت اَبوذَر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں ندامت کے ساتھ حاضر ہوئے اور ایک دم اپنا حسین رُخسار زمین پر رکھ کر انتہائی لَجاجَت کے ساتھ روتے اور گڑگڑاتے ہوئے یہ کہا کہ

اے بلال! جب تک تم اپنے قدم کے تلوے سے میرے اس رُخسار کو نہ روندو گے میں اس وقت تک اپنا یہ چہرہ ہرگز ہرگز زمین سے نہیں اٹھاؤں گا۔ حضرت اَبو ذَر کے شدید اِصرار سے مجبور ہو کر حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بادِلِ نَخواستہ اپنا قدم اَبو ذَر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے چہرے پر رکھ کر فوراً ہی ہٹالیا اور حضرت اَبوذَر کو معاف کر دیا۔(1)

(ارشاد الساری، ج۱، ص۲۴۶)

علامہ قَسطَلانی نے اس واقعہ کے بارے میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ حضرت اَبوذَر

---

(1)......ارشاد الساری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاھلیة...الخ، تحت الحدیث: ۳۰، ج۱، ص۱۹۷

نے یہ عار دلانے والی بات حضرت بلال کے لئے اس وقت کہی تھی جبکہ حضرت اَبو ذَر کو اس قسم کے الفاظ کی حرمت کا علم نہیں ہوا تھا۔ ورنہ حضرت اَبو ذَر جیسے پیکر تقویٰ و پرہیز گاری سے ایسی بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے صرف یہ لفظ کہہ کر ان کی سرزنش فرمائی کہ ''تمہارے اندر ابھی جاہلیت کی خصلت باقی ہے۔'' اور یہ زجر و توبیخ بھی ان کے بلند مَراتِب کی وجہ سے ہوئی کہ اتنے بڑے آدمی کی زبان سے اتنی چھوٹی اور گری ہوئی بات نہیں نکلنی چاہئے تھی۔ (1)

(ارشاد الساری، ج۱، ص۲۴۶)

مسائلِ حدیث: حدیث مذکور بالا سے حسبِ ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں:

﴿۱﴾ کسی مسلمان کو اگرچہ وہ لونڈی، غلام یا نوکر چاکر ہی کیوں نہ ہو گالی دینا حرام ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ کُفْرٌ یعنی کسی مسلمان سے گالی گلوچ کرنا فاسق کا کام ہے اور کسی مسلمان سے جنگ و قتال کرنا کافر کا کام ہے۔

﴿۲﴾ غلاموں اور نوکروں کو محض ان کی غلامی اور نوکری کی بناء پر حقیر و ذلیل سمجھنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ بزرگی کا دار و مدار ذات، خاندان یا دولت و حکومت پر نہیں ہے بلکہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (2) کے فرمانِ الٰہی نے ہمیشہ کے لیے اس مسئلہ پر مہرِ صد تَصدیق ثَبت کردی ہے کہ بزرگی کا دار و مدار تقویٰ اور پرہیز گاری پر ہے تو ہوسکتا

---

(1) ......ارشاد الساری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاھلیۃ...الخ، تحت الحدیث: ۳۰، ج۱، ص۱۹۷

(2) ......ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔ (پ۲۶، الحجرات: ۱۳)

ہے کہ غلام آقا سے زیادہ پرہیزگار اور خدا کے نزدیک عزت والا ہو۔

﴿۳﴾ حدیث مذکور میں "فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ" کا امر وجوبی نہیں ہے بلکہ یہ امر ارشادی یا امر استحبابی ہے لہٰذا آقا جو کھائے اور جو پہنے وہی غلاموں کو بھی کھلائے اور پہنائے یہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب اور کارِ ثواب ہے۔(1)

لیکن بہر حال اس حدیث سے اتنی بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ غلاموں اور نوکروں کو بہت زیادہ خراب کھانا اور کپڑا نہیں دینا چاہیے بلکہ اپنی اور غلام یا نوکر کی حیثیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب درجے کا کھانا، کپڑا دینا آقا پر لازم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

"بِسْمِ الله" لکھنے کی فضیلت

حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے محبوب، دانائے غیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیُوب عَزَّوَجَلَّ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تعظیم کیلئے عُمدہ شکل میں " بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ " تحریر کیا اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بخش دے گا۔"

(فیضان سنت، ج ۱، ص ۸۶ ، بحوالہ الدر المنثور، ج ۱، ص ۲۷، دار الفکر بیروت)

1......عمدة القاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاهلية...الخ، تحت الحديث: ۳۰ ج ۱، ص ۳۱۱

زمین کی پیٹھ بہتر یا پیٹ

حدیث:۲۰

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا كَانَ اُمَرَاءُكُمْ خِيَارَكُمْ وَاَغْنِيَاءُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَاِذَا كَانَ اُمَرَاءُكُمْ شِرَارَكُمْ وَاَغْنِيَاءُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ وَ اُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِها. رواه الترمذی (1)

(مشکوٰۃ،باب تغیر الناس،ص۴۵۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے اُمراء تم میں سے بہترین لوگ ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارا معاملہ آپس کے مشوروں سے طے ہوتا رہے تو تمہارے لیے زمین کی پیٹھ زمین کے پیٹ سے بہتر ہے اور جب تمہارے اُمراء بدترین لوگ ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتیں طے کرنے لگیں تو تمہارے لیے زمین کا پیٹ زمین کی پیٹھ سے بہتر ہے۔

شرحِ حدیث: اس حدیث میں زمین کی پیٹھ سے مُراد ''زمین کے اُوپر زندہ رہنا'' اور زمین کے پیٹ سے مُراد ''مرکر زمین میں مدفون ہونا'' ہے۔ظاہر ہے کہ جب سلطنت کے اُمراء اور حکومت کے حُکّام نیک اور صالح لوگ ہوں گے تو ان کے عدل وانصاف سے زمین پر امن وامان اور سکون واطمینان کا دور دورہ ہوگا اور ظلم وطُغیان سرکشی وعِصیان غرض ہر قسم کے جَرائم کا نام ونشان مٹ جائے گا اور دن رات زمین پر رحمتِ الٰہی کا

......مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق،باب تغير الناس، الحديث:٥٣٦٨، ج٢، ص٢٧٥

نزول ہوتا رہے گا۔

اسی طرح جب مالدار سخی ہوں گے تو وہ اپنی دولت کو نیک کاموں میں خرچ کریں گے اور مساجد و مدارس اور دوسرے دینی اداروں اور اسلامی مرکزوں کی ترقی اور رونق بڑھے گی، کوئی ننگا بھوکا نہیں رہے گا، غرباء مالداروں سے محبت کریں گے، امیری فقیری کی جنگ ختم اور طبقاتی کشمکش کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اسی طرح جب اُمراء اور حُکّام کا تقرر اور تمام قومی معاملات آپس کے مشوروں سے طے پاتے رہیں گے تو بغض و کینہ اور تَحاسُد و تَباغُض کا روئے زمین سے جنازہ نکل جائے گا اور ہر شخص کو سکون و اطمینان کے ساتھ نیکیوں اور اعمالِ صالحہ میں مصروف و مشغول رہنے کا موقع ملے گا ایسی صورت میں جبکہ روئے زمین کا چپہ چپہ امن و چین اور سکون و راحت کی جنت بنا ہوا ہو اور ہر طرف تجارتِ آخرت کے بازار میں چہل پہل اور رونق ہی رونق نظر آ رہی ہو تو بلاشبہ یقیناً ایک مسلمان کی زندگی اس کی موت سے بدرجہا خوشتر اور زمین کی پیٹھ زمین کے پیٹ سے بہتر ہوگی۔

برخلاف اس کے، جب حکومت کے امراء و حکام بدکار و حرام کار اور عیاش و بدمعاش ہوں گے تو ظاہر ہے کہ عدل و انصاف نہ ہونے سے زمین پر ہر طرف فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوگا اور ہر چہار جانب روئے زمین پر نراج بلکہ شیطان کا راج ہوگا۔

اسی طرح جب مالدار بخیل ہو جائیں گے اور صدقات و خیرات کا دروازہ بند ہو جائے گا تو غرباء و مساکین ننگے بھوکے ہوں گے، مزدور و سرمایہ دار کی جنگ شروع ہو جائے گی اور طبقاتی کشمکش کا اژدہا منہ پھاڑے ہوئے زمین پر لہراتا ہوگا۔ مساجد و مدارس کی رونق میں کمی اور دینی اداروں کی بہاریں نذرِ خزاں اور اسلامی مراکز کے

گلشنوں میں ویرانی کے اُلّو بول رہے ہوں گے۔ دینداری کی مجلسوں کے چراغ بجھ چکے ہوں گے اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا۔

اسی طرح جب لوگ تمام معاملات میں عورتوں کے مشوروں کو دَخیل بنالیں گے تو ظاہر ہے کہ یہ ناقصاتِ عقل و دین ایسا ہی مشورہ دیں گی جو تباہی و بربادی کا سگنل اور دین و دنیا کی خرابیوں کے لئے ہری جھنڈی ہوگی اور ملک وملت کی ساری شان و شوکت غارت ہوکر رہ جائے گی۔ غرض ساری دنیا طرح طرح کے جرائم و مفاسد کے بھیانک جنگل اور پوری زندگی دینی و دنیاوی ہلاکتوں اور بربادیوں کا جہنم بن کر رہ جائے گی۔ ایسی صورت میں بلاشبہ یقیناً ایک مسلمان کی موت اس کی زندگی سے بدرجہا اچھی اور زمین کا پیٹ زمین کی پیٹھ سے ہزاروں درجہ بہتر ہوگا۔

اسی لیے ایک حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَذْھَبُ الدُّنْیَا حَتّٰی یَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَی الْقَبْرِ فَیَتَمَرَّغُ عَلَیْہِ وَیَقُوْلُ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَکَانَ صَاحِبِ ھٰذَا الْقَبْرِ(1) (مسلم، ج۲،ص۳۹۴)

میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ دنیا اس وقت تک نہیں جائے گی یہاں تک کہ آدمی قبر پر جاکر لوٹے گا اور کہے گا کہ کاش! اس قبر والے کی جگہ پر میں ہوتا۔

توبہ توبہ! نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْہ! یا اللہ! ہم ان فتنوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

......صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتی یمر الرجل...الخ، الحدیث:۲۹۰۷، ص۱۵۵۵

پانچ گناہ، پانچ عذاب

حدیث: ۲۱

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَا ظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِیْ قَوْمٍ اِلَّا اَلْقَی اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ وَلَا فَشَا الزِّنَا فِیْ قَوْمٍ اِلَّا کَثُرَ فِیْهِمُ الْمُوْتُ وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ وَلَا حَکَمَ قَوْمٌ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا فَشَا فِیْهِمُ الدَّمُ وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ اِلَّا سُلِّطَ عَلَیْهِمُ الْعَدُوُّ [1] (مشکوٰۃ، باب تغیر الناس، ص۴۵۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں خیانت ظاہر اور کھلم کھلا ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کے دل میں اس کے دشمنوں کا خوف اور ڈر ڈال دیتا ہے اور جب کسی قوم میں زِنا کاری پھیل جاتی ہے تو اس قوم میں بکثرت موتیں ہونے لگتیں ہیں اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے اُس قوم کی روزی کاٹ دی جاتی ہے اور جو قوم ناحق فیصلہ کرنے لگتی ہے اس قوم میں خون ریزی پھیل جاتی ہے اور جو قوم عہد شکنی اور بدعہدی کرنے لگتی ہے اس قوم پر اس کے دشمن کو غالب و مسلط کر دیا جاتا ہے۔

شرحِ حدیث: جس طرح دواؤں اور غذاؤں میں خداوند قدوس عزوجل نے قسم قسم کی تاثیرات پیدا فرمائی ہیں کہ زہر مار ڈالتا ہے، تریاق زہر کے اثرات کو زائل کر دیتا ہے، بعض غذائیں صحت کو برباد کر دیتی ہیں اور بعض غذائیں تندرستی کو بڑھا دیتی ہیں اسی طرح انسان کے قول و افعال میں بھی قدرت نے قسم قسم کی تاثیرات رکھ دی ہیں مثلاً آپ کی ''گالی'' دُنیا بھر کے انسانوں کو آپ کا دشمن بنا دیتی ہے اور آپ کی ''دُعاء'' دنیا بھر کو

[1] ......مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب تغير الناس، الحديث: ٥٣٧٠، ج٢، ص٢٧٦

آپ کا دوست بنا دیتی ہے۔ اسی طرح اگر آپ کسی کو ''مُکّہ'' دکھائیں تو وہ آپ پر غضبناک ہو جاتا ہے اور اگر آپ کسی کے آگے ہاتھ جوڑیں تو وہ آپ پر رحم دل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ انسان کے ہر قول و عمل میں قدرت نے قسم قسم کی تاثیریں اور طرح طرح کے اَثرات پیدا فرمائے ہیں۔ نیک اعمال اور اچھے اچھے اقوال کی تاثیرات و اَثرات بھی اچھے ہوا کرتے ہیں اور بُرے اَعمال اور بُرے اَقوال کی تاثیرات واَثرات بھی بُرے ہوا کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں پانچ بُرے اعمال اور ان کی بُری تاثیروں کا بیان فرمایا ہے۔

﴿۱﴾ خیانت کی تاثیر یہ ہے کہ جو قوم امانت میں خیانت کرنے لگے گی تو وہ قوم اپنے دشمنوں سے خائف، ڈرپوک اور بزدل ہو جائے گی۔

﴿۲﴾ اور جو قوم زنا کاری کی لعنت میں گرفتار ہو جائے گی تو اس قوم پر طرح طرح کی بلائیں بیماریاں اور وبائیں آئیں گی اور بکثرت لوگ مرنے لگیں گے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ''جہاں زنا وہاں فنا۔''

﴿۳﴾ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرے گی تو اس کا یہ اثر ہوگا کہ ان کی روزیوں کی برکت کٹ جائے گی۔ وہ عمر بھر روزی کمانے کے لیے دربدر کی ٹھوکر کھاتے پھریں گے اور ہزاروں لاکھوں کمائیں گے بھی مگر ان کے دل کو چین اور روح کو سکون اور دولت کو قرار نہیں حاصل ہوگا اور کچھ پتہ نہیں چلے گا کہ دولت کہاں سے آئی اور کدھر چلی گئی۔

﴿۴﴾ اور جو قوم ناحق فیصلہ کرنے کی خوگر ہو جائے گی تو اس گناہ کا یہ اثر ہوگا کہ اس قوم میں قتل وخون ریزی کی بلا پھیل جائے گی اور روزانہ دن رات ہر طرف قتل ہی ہوتے رہیں گے۔

﴿۵﴾اسی طرح جو قوم بدعہدی کی راہ پر چل پڑے گی اس قوم کی عزت و اقبال اور اس کی سلطنت کے جاہ و جلال کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس قوم پر اس کے دشمنوں کا غلبہ و اقتدار ہو جائے گا۔

چونکہ ان گناہوں کی یہی تاثیرات ہیں اور کوئی چیز بھی اپنا خلقی اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی لہٰذا ان گناہوں کے وہی اثرات ہوں گے جو اوپر بیان کئے گئے۔ آگ پر انگلی رکھ کر لاکھ چلایئے مگر انگلی ضرور جل جائے گی کیونکہ آگ کی تاثیر ہی جلا دینا ہے۔

واضح رہے کہ ان گناہوں کا یہ عذاب صرف دنیاوی عذاب ہے جو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے باقی آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے اور وہ عذاب جہنم ہے۔

نبی کا علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن

حدیث:۲۲

عَنْ عَمْرِو بْنِ اَخْطَبَ الْاَ نْصَارِیِّ قَالَ: صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا الْفَجْرَ وَصَعِدَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّھْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ قَالَ: فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا(1) (مشکوٰۃ، باب المعجزات، ص۵۴۳)

ترجمہ: حضرت عَمْرو بن اَخْطَب اَنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک دن ہم لوگوں کو رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی نماز

(1) ......مشکاۃ المصابیح، کتاب احوال القیامۃ وبدء الخلق، باب فی المعجزات، الحدیث:۵۹۳۶، ج۲، ص۳۹۷

پڑھائی اور منبر پر چڑھ گئے اور ظہر کی نماز تک خطبہ پڑھتے رہے پھر اُترے اور نماز پڑھ کر پھر منبر پر چڑھ گئے اور خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا پھر اُترے اور نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھ گئے اور سورج ڈوبنے تک خطبہ پڑھتے رہے تو (اس دن بھر کے خطبہ میں) ہم لوگوں کو حضور نے تمام ان چیزوں اور باتوں کی خبر دے دی جو قیامت تک ہونے والی ہیں تو ہم صحابہ میں سب سے بڑا عالم وہی ہے جس نے سب سے زیادہ اس خطبہ کو یاد رکھا ہے۔

حضرت عَمرو بن اَخطَب: اِس حدیث کے راوی حضرت عَمرو بن اَخطَب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ اَنصاری ہیں اور ان کی کنیت ''اَبوزید'' ہے اور محدثین کے نزدیک ان کی کنیت ان کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔

یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت سے غزوات میں شریکِ جہاد رہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ محبت اور پیار سے ان کے سر پر ہاتھ پھیر دیا اور ان کی خوبصورتی کے لیے دعا فرمائی۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ ان کی سو برس کی عمر ہو گئی تھی مگر سر اور داڑھی کے چند ہی بال سفید ہوئے تھے اور آخری عمر تک چہرے کا حسن و جمال باقی رہا۔[1] (اکمال)

شرحِ حدیث: ﴿۱﴾ یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نمازِ فجر سے غروبِ آفتاب تک بجز ظہر و عصر پڑھنے کے برابر دن بھر خطبہ ہی میں مشغول رہے اور سامعین سُنتے رہے اور اس خطبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک کے ہونے والے تمام واقعات تمام چیزوں اور تمام

---

[1]......اکمال فی اسماء الرجال، حرف العین، فصل فی الصحابة، ص۶۰۷

باتوں کی سامعین کو خبر دے دی اور صحابہ میں سے جس نے جس قدر زیادہ اس خطبہ کو یاد رکھا اتنا ہی بڑا وہ عالم شمار کیا جاتا تھا۔ (1)

﴿۲﴾ یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کہ قیامت تک کے کروڑوں واقعات کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صرف دن بھر کے خطبہ میں بیان فرما دیا۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کو خداوندِ عالَم نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ آپ گھوڑے پر زِین کسنے کا حکم دیتے تھے اور سائیس گھوڑے کی زین باندھ کر درست کرتا تھا اتنی دیر میں آپ ایک ختم ''زبور شریف'' کی تلاوت کر لیتے تھے (2) تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نبی آخر الزمان جو تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے جامع ہیں اگر دن بھر میں قیامت تک کے تمام احوال و واقعات کو بیان فرما دیں تو اس میں کونسا تعجب کا مقام ہے۔

مسائلِ حدیث: اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل پر روشنی پڑتی ہے:

﴿۱﴾ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خداوندِ عالمُ الْغَیْب والشَّہادۃ نے جس طرح بہت سے معجزانہ کمالات سے نوازا اور تمام انبیاء اور رسولوں میں آپ کو ممتاز فرما کر ''سید الانبیاء'' اور ''افضل الرسل'' بنایا اسی طرح علمی کمالات کا بھی آپ کو وہ کمال بخشا کہ '' مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ '' یعنی روزِ ازل سے قیامت تک کے تمام علوم کا خزانہ آپ کے سینہ نبوت میں بھر دیا چنانچہ اس مضمون کی بہت سی آیات و احادیث ہم نے اپنی کتاب ''قرآنی تقریریں'' میں تحریر

---

(1)......صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعۃ، باب اخبار النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم...الخ، الحدیث:۲۸۹۲، ص۱۵۴۶

(2)......صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللّٰہ تعالی...الخ، الحدیث:۳۴۱۷، ج۲، ص۴۴۷

کردیں ہیں یہاں بھی دو حدیثوں کا ترجمہ پڑھ لیجئے۔ مشکوۃ شریف کی حدیث ہے کہ

﴿۱﴾ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب عزوجل کو بہترین صورت میں دیکھا تو اس نے مجھ سے فرمایا کہ اوپر والی جماعت کس چیز میں بحث کر رہی ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ یااللہ! عزوجل تو ہی اس کو زیادہ جاننے والا ہے پھر خداوندِ عالَم نے اپنی (قدرت کی) ہتھیلی کو میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا تو میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان میں پایا اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کو میں نے جان لیا۔(1) (مشکوٰۃ، باب المساجد، ص۷۰)

﴿۲﴾ اللہ عزوجل نے میرے لیے دُنیا کو اٹھا کر اسطرح میرے سامنے پیش فرمادیا کہ میں تمام دنیا کو اور اس میں قیامت تک جو کچھ بھی ہونے والا ہے ان سب کو اسطرح دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔(2) (زرقانی علی المواہب، جلد ۷، ص ۲۳۴)

﴿۳﴾ جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم "اَفضلُ الخَلق" ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم "اَعلمُ الخَلق" بھی ہیں کہ تمام جن وانس اور ملائکہ کے علوم سے بڑھ کر آپ کا علم ہے یہاں تک کہ حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے قصیدۂ بُردہ میں فرمایا کہ

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ (3)

یعنی یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم دنیا اور اسکی سوکن (یعنی آخرت) یہ دونوں آپکی سخاوت

---

1 ......مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، الحدیث: ۷۲۵، ج۱، ص۱۵۲

2 ......شرح الزرقانی علی المواهب، المقصد الثامن، الفصل الثالث، ج۱۰، ص۱۲۳ وحلیة الاولیاء، حدیر بن کریب، الحدیث ۷۹۷۹، ج۶، ص۱۰۷

3 ......القصیدة البردة، الفصل العاشر فی المناجات وعرض الحال

کے ثمرات میں سے ہیں اور ''لوح وقلم کا علم'' آپکے علوم کا ایک جز و ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نعت خوانی کا اہتمام

حدیث:۲۳

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِى الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهَا قَائِمًا يُّفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ يُنَافِحُ وَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا نَافَحَ اَوْ فَاخَرَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ الْبُخَارِى (1)

(مشکوٰۃ، باب البیان والشعر، ص۴۱۰)

ترجمہ: حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسّان کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھتے تھے اور حضرت حسّان اس پر چڑھ کر کھڑے کھڑے رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے بارے میں فخریہ اَشعار پڑھتے یا حضور کی طرف سے مشرکین کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جب تک حسان میری طرف سے مدافعانہ جواب دیتے یا میرے بارے میں فخریہ اَشعار پڑھتے رہتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام ان کی مدد فرماتے رہتے ہیں۔

حضرت عائشہ: اس حدیث کو روایت کرنے والی اُم المؤمنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نورِ نظر اور دُخترِ نیک اختر ہیں۔ ان کی والدہ کا نام ''اُمّ رومان'' ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت

(1)......مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الحديث: ۴۸۰۵، ج۲، ص۱۸۸

کے دسویں سال شوال کے مہینے میں ہجرت سے تین سال قبل بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مکہ میں نکاح فرمایا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شوال ۲ھ میں مدینہ منورہ کے اندر کاشانہ نبوت میں داخل ہوگئیں اور نو برس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف رہیں، امہات المؤمنین میں سب سے زیادہ بارگاہِ رسالت میں محبوب ترین تھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بیوی کے لحاف میں میرے اُوپر وحی نہیں اُتری مگر حضرت بی بی عائشہ جب میرے ساتھ بستر نبوت پر سوتی ہیں تو اس حالت میں بھی مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ فقہ و حدیث کے علم میں ان کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ دو ہزار دو سو دس حدیثیں انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہیں ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں میں سے ایک سو چوہتر حدیثیں ایسی ہیں جو بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ہیں اور چون حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بخاری شریف میں ہیں اور اڑسٹھ حدیثیں وہ ہیں جن کو صرف مسلم نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق کا بیان ہے کہ حضرت بی بی عائشہ ہمیشہ روزانہ تہجد پڑھنے کی پابند تھیں اور حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ فقہ و حدیث کے علوم کے علاوہ میں نے حضرت بی بی عائشہ سے بڑھ کر کسی کو اشعارِ عرب کا جاننے والا بھی نہیں پایا۔ آپ کے شاگردوں میں صحابہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت ہے۔ ۱۷ رمضان شب سہ شنبہ ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں مدینہ منورہ کے اندر وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق رات میں لوگوں نے آپ کو جنۃ البقیع کے قبرستان میں دوسری امہات المؤمنین کی قبروں کے پہلو میں دفن کیا۔ (1) (اکمال وحاشیہ اکمال وغیرہ)

......اکمال فی اسماء الرجال مع حاشیة، حرف العین، فصل فی الصحابیات، ص ٦١٢

حضرت حسّان بن ثابت: یہ دربارِ رسالت کے خاص الخاص شاعراور مداحِ رسول ہیں۔ان کی کنیت ابوالولید ہے ان کے والد کا نام ''ثابت'' اوران کے دادا کا نام ''منذر'' اور پردادا کا نام ''حرام'' ہے۔اوران چاروں کے بارے میں ایک تاریخی لطیفہ ہے کہ ان چاروں کی عمریں ایک سوبیس برس کی ہوئیں جوعجائبات عالم میں سے ہے۔[1]

(حاشیہ بخاری بحوالہ کرمانی، ج۲،ص۵۹۴)

حضرت حسّان کی ایک سوبیس برس کی عمر میں سے ساٹھ برس جاہلیت میں اور ساٹھ برس اسلام میں گزرے۔یہ اَنصار کے قبیلہ ''خزرج'' سے تعلق رکھتے ہیں۔یہ شُعراءعرب میں بہت مشہور ہیں بلکہ ''اَبوعُبیدہ'' نے یہاں تک فرمایا کہ عرب کے شہری شاعروں میں یہ سب سے اُونچے درجہ کے شاعر ہوئے ہیں۔امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دورخلافت میں ۴۰ھ سے قبل آپ کی وفات ہوئی۔[2] (اکمال)

فوائدومسائل: ﴿۱﴾ یہ بخاری شریف کی حدیث ہے۔یہ حدیث اُن وہابیوں اور دیوبندیوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے جوہم سنیوں کی محفلِ میلاد شریف یانعت خوانی کی مجالس کا مذاق اڑاتے ہیں اورہم پر پھبتیاں کَستے رہتے ہیں اورکہا کرتے ہیں کہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ لوگ جتنی دیرتک میلاد شریف پڑھتے یانعت خوانی کرتے رہتے ہیں اتنی دیرتک قرآن شریف کی تلاوت کریں۔ہم کہتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن کے اجروثواب پرہماراایمان ہے مگرخدا کے لیے علماءدیو بند کا کوئی بڑے سے بڑا ''محدث'' مجھ کو بتا تو دے کہ کیا تلاوت قرآن کے لیے بھی کبھی حضوراکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے

---

[1] ......عمدة القاری، کتاب الصلاة،باب الشعر فی المسجد، تحت الحدیث:٤٥٣، ج٣،ص٤٨٧

[2] ......اکمال فی اسماء الرجال، حرف الحاء، فصل فی الصحابة، ص ٥٩٠

یہ اہتمام فرمایا کہ کسی قاری یا حافظ کے لیے خاص طور پر مسجد نبوی میں منبر بچھایا ہوا اور وہ قاری یا حافظ جب قرآن پڑھ رہا ہو تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو یہ فرما کر داد دی ہو کہ جبریل علیہ السلام اس کی مدد کر رہے ہیں۔

﴿۲﴾ مجھے امید ہے کہ اگر یہ لوگ بخاری کی اس حدیث کو دیدۂ عبرت سے دیکھیں گے اور ان میں نورِ سعادت کی ادنیٰ سی کرن بھی ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کے بند دروازے کھل جائیں گے اور وہ میلاد شریف اور نعت خوانی کی اہمیت کا اعتراف کر کے یا تو خود بھی ان محفلوں کو سنت سمجھ کر ان میں شرکت کرنے لگیں گے یا کم از کم ان محفلوں کی بُرائی اور مذاق اڑانا چھوڑ دیں گے اور اگر خدانخواستہ ان کے دلوں پر شقاوت کی مہر ہی لگ چکی ہوگی جب تو یہ حدیث کیا پوری حدیثوں کے دفتر اور پورا قرآن بھی ان کے لیے ذریعہ ہدایت نہیں بن سکتا۔

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　　که ''خضر'' از حیواں تشنہ می آرد سکندر را

دُنیا نگاہِ نُبُوَّت میں

حدیث:۲٤

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلٰی حَصِیْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِیْ جَسَدِہٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَکَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ: مَا لِیْ وَلِلدُّنْیَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْیَا اِلَّا کَرَاکِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَکَھَا۔ (1) (مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، ص۴۴۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

(1)......مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، الفصل الثانی، الحدیث: ۵۱۸۸، ج۲، ص ۲٤۷

عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک چٹائی پر سوکر جب اُٹھے تو آپ کے جسم مبارک پر چٹائی کا نشان پڑ گیا تھا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کاش! آپ ہم لوگوں کو حکم فرماتے کہ ہم لوگ آپ کے لیے بچھونا بچھا دیتے اور آپ کی راحت کا سامان کردیتے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا مطلب میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے سایہ میں (کچھ دیر) بیٹھ جاتا ہے پھر اُس درخت کو چھوڑ کر چل دیتا ہے۔

فوائدومسائل: ﴿۱﴾ اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

﴿۲﴾ اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا سے بے رغبتی، عیش وآرام سے نفرت اور مُتواضِعانہ زندگی کی ایک ایسی تصویر نظر آتی ہے کہ اس کے تصور ہی سے ہم دنیا داروں کے قلب پر چوٹ لگتی ہے کہ اللہ اللہ! دونوں عالم کے سردار، محبوب پروردگار، حضور احمدِ مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک کُھرّی، کھردری چٹائی پر بغیر بچھونے کے سوتے تھے یہاں تک کہ چٹائی کی تیلیوں سے محبوبِ خدا کے جسمِ نازک پر نشان پڑ جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اس روح فَرسا منظر کی تاب نہ لا سکے، بلبلا اُٹھے اور چٹائی پر بچھونا بچھا دینے کی تمنا ظاہر کی تو شہنشاہِ کونین کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ مجھ کو دنیا کے عیش وآرام سے کیا مطلب اور مجھے دنیا سے کیا تعلق میری دُنیاوی زندگی کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے کوئی سوار سفر میں اپنی منزلِ مقصود کی طرف جارہا ہے راستے میں کوئی سایہ دار درخت مل گیا تو وہ تھوڑی دیر کے لیے اس درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا پھر اس درخت کو چھوڑ کر چل دیا۔ یہی مثال دنیا کی ہے کہ ہم سب عالَمِ آخرت کے مسافر ہیں

اور زمانے کے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہیں، عالَمِ آخرت کو جاتے ہوئے یہ عالَمِ دنیا ایک سایہ دار درخت کی طرح راستے میں مل گیا ہے اس سائے میں چند دن بیٹھ کر پھر اس کو چھوڑ کر اپنی منزل مقصود یعنی عالَمِ آخرت کی طرف روانہ ہو جانا ہے تو جس طرح سائے دار درخت کے سائے میں بیٹھنے والا مسافر نہ وہاں پلنگ بچھاتا ہے نہ بچھونا بچھاتا ہے نہ مکان بناتا ہے نہ کوئی عیش و آرام کا سامان کرتا ہے اسی طرح میں بھی اس دنیا میں بجز بقدر ضرورت سامان کے عیش و آرام کا کوئی ساز و سامان پسند نہیں کرتا۔

﴿۳﴾ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو امیرانہ زندگی بالکل ہی پسند نہیں تھی۔ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں کہ میں بادشاہوں کی طرح زندگی بسر کروں۔ میں تو خدا کا رسول ہوں اور خدا کا بندہ ہوں، میں ایک بندے کی طرح کھاتا ہوں، ایک بندے کی طرح اُٹھتا بیٹھتا ہوں، ایک بندے کی طرح زندگی بسر کرتا ہوں۔

﴿٤﴾ آپ کو مسکینوں کی زندگی سے بے حد محبت تھی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آپ اس طرح دعا مانگا کرتے تھے کہ ”اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ“ یا اللہ! تو مجھ کو ایک مسکین کی زندگی عنایت فرما اور ایک مسکین کی موت عطا فرما اور مسکینوں کی جماعت میں میرا حشر فرما۔

یہ دُعا سن کر اُمُّ المؤمنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صبر نہ کر سکیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ اس طرح کی دعا کیوں مانگ رہے ہیں؟ تو ارشاد فرمایا: اِنَّھُمْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ قَبْلَ اَغْنِیَاءِ ھِمْ بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا یَا عَائِشَۃُ! لَا تَرُدِّی الْمِسْکِیْنَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ یَاعَائِشَۃُ اَحِبِّی الْمَسَاکِیْنَ وَ قَرِّبِیْھِمْ فَاِنَّ اللّٰہَ یُقَرِّبُكِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (1) (مشکوۃ، باب الفقراء، ص ۴۴۷)

(1)......مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب فضل الفقراء...الخ، الحديث: ٥٢٤٤، ج ٢، ص ٢٥٥

یقیناً یہ (مسکین) لوگ مالداروں سے چالیس برس پہلے جنّت میں داخل ہو جائیں گے، اے عائشہ! تو مسکین کو خالی ہاتھ مت لوٹا دے کچھ نہ ہو تو کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دیدے، اے عائشہ! تو مسکینوں سے محبت کر اور ان کو اپنے قرب میں جگہ دے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو قیامت کے دن اپنا قرب عطا فرمائے گا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جذبۂ محبت میں میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ کُنْ فِی الدُّنیا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ فِیْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ (1)

(مشکوۃ، باب الامل والحرص، ص ۴۵۰)

تم دنیا میں ایک پردیسی کی طرح رہو بلکہ ایک راستہ چلنے والے مسافر کی طرح رہو اور اپنی ذات قبر والوں (مُردوں) میں سے شمار کرو۔

مطلب یہ ہے کہ پردیسی آدمی یا راستہ چلنے والا مسافر جس طرح بہت ٹھاٹھ باٹھ اور ساز و سامان سے گِراں بار نہیں ہوتا اور پردیس یا راستہ سے کوئی زیادہ دلچسپی اور لگاؤ نہیں رکھتا اسی طرح تم بھی دُنیا کے ساز و سامان سے زیادہ تعلق اور قلبی لگاؤ مت رکھو۔

﴿۵﴾ واضح رہے کہ جن خاص خاص صحابہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسکینوں کی زندگی بسر کرنے کا حکم دیا یہ کوئی وجوبی حکم نہیں تھا بلکہ یہ استحبابی حکم تھا۔ یہ حضور رحمت عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کمالِ کرم ہے کہ خود تو مسکینوں کی زندگی گزاری مگر اپنی اُمّت کو ہر قسم کی حلال راحتوں اور جائز ساز و سامان رکھنے کی اجازت عطا فرمائی ہے اور اس

(1) ......مشکاۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب الامل والحرص، الحدیث: ۵۲۷۴، ج۲، ص۲۵۹

بارے میں اپنی امت کوقرآن کا یہ فرمان بار بار سُنایا ہے کہ

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ (1)

یعنی اے محبوب! آپ لوگوں کو سنا دیجئے کہ کس نے اللہ کی اُس زینت کو حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے نفع اٹھانے کے لیے پیدا فرمائی ہے اور کون ہے جو حلال اور پاکیزہ رزق کو حرام ٹھہرائے

بہر حال ہر قسم کے آرام وراحت کے سامانوں کو بشرطیکہ وہ حلال اور جائز ہوں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو اس کے استعمال کرنے اور اس سے نفع اُٹھانے کی اجازت دی ہے۔لہٰذا ایک مسلمان کے لیے ہر قسم کا سامانِ راحت رکھنا اور برتنا جائز ہے۔بس شرط یہی ہے کہ وہ حلال اور جائز ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنت کی گارنٹی

حدیث:۲۵

عَنۡ عُبَادَةَ بۡنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِضۡمَنُوۡا لِیۡ سِتًّا مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَضۡمَنۡ لَکُمُ الۡجَنَّةَ اُصۡدُقُوۡا اِذَا حَدَّثۡتُمۡ وَاَوۡفُوۡا اِذَا وَعَدۡتُمۡ وَاَدُّوۡا اِذَا ائۡتُمِنۡتُمۡ وَاحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَکُمۡ وَغُضُّوۡا اَبۡصَارَکُمۡ وَکُفُّوۡا اَیۡدِیَکُمۡ. (2)

(مشکوٰۃ، باب حفظ اللسان، ص۴۱۵)

ترجمہ: حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنی طرف سے میرے لیے چھ چیزوں کی ذمہ داری

(1) ترجمۂ کنز الایمان: تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی اور پاک رزق۔(پ۸،الاعراف:۳۲)

(2) مشکاۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان...الخ، الحدیث: ۴۸۷۰، ج۲، ص۱۹۷

قبول کرلو تو میں تمہارے لیے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔﴿۱﴾جب بات کرو تو سچ بولو﴿۲﴾جب کوئی وعدہ کرو اس کو پورا کرو﴿۳﴾جب کوئی امانت تم کو سونپی جائے تو اس امانت کو ادا کرو﴿۴﴾اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو﴿۵﴾اپنی نگاہوں کو نیچی رکھو﴿۶﴾اپنے ہاتھوں کو (ہر ظلم و مَعْصِیَت سے) روکے رکھو۔

فوائد و مسائل: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ عزوجل نے "جَوَامِعُ الْکَلِم" کا معجزہ عطا فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ و کلمات دیکھنے میں تو بہت ہی مختصر ہوتے ہیں مگر وہ اپنے دامنوں میں اتنے کثیر معانی و مطالِب کا خزانہ رکھتے ہیں کہ گویا ایک کوزہ میں پورا سمندر سمایا ہوا ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں بظاہر تو کل چھ ہی چیزیں مذکور ہیں مگر یہ چھ چیزیں ایسی ہیں کہ انسان ان پر مکمل طور سے عامل ہو جائے تو وہ چھ ہزار بلکہ چھ لاکھ بلکہ تمام گناہوں سے بچ جائے گا اور تمام نیکیوں کا خزانہ اس کے نامۂ اعمال میں جمع ہو جائے گا۔

مثلاً پہلی چیز کہ زبان سے سچ کے سوا کچھ نہ بولنا، ظاہر ہے کہ زبان تمام قولی گناہوں کا منبع اور تمام قولی عبادتوں کا سرچشمہ ہے۔ اب جو شخص اس کی ذمہ داری لے لے کہ وہ سچ کے سوا زبان سے کچھ نہ بولے گا تو سُن لیجئے کہ توحید، رسالت، قیامت اور تمام عقائدِ اسلام کا اقرار، تلاوتِ قرآن، تمام درود و وظائف، اچھی باتوں کا حکم دینا، بُری باتوں سے روکنا، غرض ہر چھوٹی بڑی قولی عبادت "سچ" ہی تو ہے۔ لہٰذا سچ بولنے والا تمام قولی عبادتوں پر عامل ہوگا اور کفر و شرک، بہتان، فریب، وعدہ خلافی، جھوٹی شہادت، غلط باتیں، جھوٹی خبریں، غرض زبان سے صادر ہونے والے ہزاروں لاکھوں گناہ یہ سب "جھوٹ" ہی تو ہیں۔ تو غور کر لیجئے! ایک سچ بولنے کا عہد کر لینے میں تمام قولی عبادتوں

کے کرنے اور تمام قولی گناہوں سے بچنے کی گارنٹی ہے۔

اسی طرح ہر وعدہ کو پورا کرنا، یہ بھی ایک ہی عمل ایسا ہے کہ اس کے اندر ہزاروں نیکیاں کرنے اور ہزاروں گناہوں سے بچنے کی ضمانت ہے۔ظاہر ہے کہ بندوں کا وعدہ دو قسم کا ہے ایک اللہ سے وعدہ ایک مخلوق سے وعدہ۔اللہ تعالیٰ نے ہر انسان سے روز ازل میں ”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا“ (1) کے ذریعہ اپنی رَبوبِیّت کا اقرار اور اپنی فرماں برداری کا وعدہ لے لیا ہے اور پھر یہ بھی حکم دیا ہے کہ

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (2) اے بندو! تم اپنے تمام وعدوں کو پورا کرو

تو اب نماز روزہ اور حج وزکوۃ غرض تمام اعمالِ صالحہ کا کرنا یہ اللہ سے کئے ہوئے وعدوں کا پورا کرنا ہے اور اللہ کے کسی حکم سے نافرمانی کرنا یہ وعدہ خلافی کرنا ہے۔معلوم ہوا کہ ایک وعدہ پورا کرنے کی ذمہ داری میں تمام حقوق اللہ کی ادائیگی داخل ہے۔

اسی طرح مخلوق سے وعدہ پورا کرنے میں مخلوق کو راحت پہنچانا، اس کی حاجتوں کو پوری کرنا، مومنوں کا دل خوش کرنا، غرض ہزاروں نیک کام اس کے ضمن میں ہو جاتے ہیں اور وعدہ خلافی میں مومنوں کی اِیذا رَسانی ان کی حاجتوں کو روکنا وغیرہ وغیرہ سینکڑوں ہزاروں مفاسد ومعاصی جمع ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح شرمگاہ کی حفاظت میں زنا، لواطت اور ان کے دَواعی وغیرہ سے بچنا اور جائز طریقے سے صاحب اولاد ہونا ہے۔اگر خداوند تعالیٰ نیک وصالح اولاد عطا فرمادے تو وہ ماں باپ کے لیے دنیا وآخرت میں بہتری کا بہترین سامان ہیں۔

اسی طرح خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے نگاہ نیچی رکھنا، اس میں سینکڑوں

(1)......ترجمۂ کنز الایمان: کیا میں تمہارا رب نہیں، سب بولے کیوں نہیں، ہم گواہ ہوئے۔(پ۹،الاعراف:۱۷۲)

(2)......ترجمۂ کنز الایمان: اپنے قول پورے کرو۔(پ٦،المآئدۃ:۱)

نیکیوں پر عمل اور سینکڑوں گناہوں سے بچنا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آنکھ دل کا جھروکہ ہے نگاہ پڑتے ہی سے دل میں نیکی یا بدی کا خیال آتا ہے۔ پھر دل اگر سُدھرا تو سارا بدن سُدھرا اور دل اگر بگڑا تو سارا بدن بگڑا۔ اب سمجھ لیجئے کہ خدا کے محارم سے نگاہ نیچی رکھنے میں کتنی نیکیوں پر عمل اور کتنے گناہوں سے بچت ہو جائے گی۔ اسی طرح امانتوں میں خیانت سے پرہیز کرنے میں بھی۔ چونکہ خدا کی امانتیں سب ادائے امانت میں داخل ہیں اس لیے امانتوں کے ادا کرنے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب پر عمل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے ہاتھوں کو تمام مظالم اور گناہوں سے روکے رہنے میں ظاہر ہے کہ کتنی نیکیاں ہوں گی اور کتنے گناہوں سے انسان بچ جائے گا۔

بہر حال یہ چھ چیزیں بہت ہی اہم ہیں اور ہر مومن کو ان کی پابندی لازم ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان چھ باتوں پر عمل کرنے والوں کے لیے جنّت میں داخل ہونے کی گارنٹی دی ہے۔

لطیفہ: میں ایک مرتبہ دھوراجی کے اندرندی کے میدان میں وعظ بیان کرکے اپنی قیام گاہ ''مدرسہ مسکینیہ'' میں جارہا تھا تو جامع مسجد کے چھتے کے نیچے ایک مست فقیر نے مجھ کو مخاطب کرکے یہ کہا کہ اے مولوی! اتنا لمبا وعظ مت کہا کر بس لوگوں سے اتنا کہدے کہ ''زبان اور فلاں کی حفاظت کرو'' اُس وقت تو میں ہنس کر چل دیا اور اس جُملہ کو کوئی اہمیت نہیں دی لیکن جب دورۂ حدیث پڑھاتے ہوئے بخاری شریف کی اس حدیث پر نظر پڑی کہ مَنْ یُّضْمَنُ لِیْ مَا بَیْنَ لَحْیَیْہِ وَ مَا بَیْنَ رِجْلَیْہِ اَضْمَنُ لَهُ الْجَنَّةَ (1)

(مشکوۃ، باب حفظ اللسان، ص ۴۱۱)

......مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان...الخ، الحديث: ۴۸۱۲، ج۲، ص ۱۸۹

جو شخص میرے لیے اپنے دونوں گلّوں کے درمیان والی چیز (زبان) اور دونوں ٹانگوں کے درمیان والی چیز (شرمگاہ) کا ضامن ہو جائے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

تو میری آنکھیں کھل گئیں کہ واقعی اُس مست فقیر نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا وہ فرمانِ رسول ہی کی ایک دلچسپ تعبیر تھی کہ زبان اور فلاں کی حفاظت کرو۔

راستوں کا حق

حدیث:۲۶

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا لَنَا مِنْ مَّجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِیْھَا فَقَالَ: فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِیْقَ حَقَّہٗ قَالُوْا:وَمَا حَقُّ الطَّرِیْقِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ (1) (بخاری، کتاب الاستیذان، ص۹۲۰)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ راستوں پر بیٹھنے سے بچو، تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راستوں میں بیٹھنے سے تو ہم لوگوں کو چارہ ہی نہیں ہے کیونکہ ان ہی جگہوں میں تو ہم لوگ بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ راستوں میں بیٹھنے سے باز نہیں رہ سکتے تو بیٹھو لیکن راستے کا حق دیتے رہو۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم راستہ کا کیا حق ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ﴿۱﴾ نیچی نگاہ رکھنا ﴿۲﴾ کسی کو ایذا نہ دینا ﴿۳﴾ لوگوں

1 ......صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، الحدیث: ۶۲۲۹، ج۴، ص۱۶۵

کے سلام کا جواب دینا﴿۴﴾اچھی باتوں کا حکم دینا﴿۵﴾بُری باتوں سے منع کرنا۔

فوائد:﴿۱﴾علامہ قَسْطَلانی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم کہ ''تم لوگ راستوں پر بیٹھنے سے بچو'' یہ حکم وُجوبی نہیں تھا بلکہ اِسْتِحْبابی تھا کیونکہ اگر یہ حکم وُجوبی ہوتا تو صحابہ اس کے جواب میں ہرگز ہرگز کبھی یہ نہ کہتے کہ ہمارے لیے تو راستوں پر بیٹھنے سے چارہ ہی نہیں ہے نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے کہ اچھا تم لوگ بیٹھو تو راستوں کا حق دیتے رہو۔(1)(حاشیہ بخاری، ص۹۲۰، ج۲)

﴿۲﴾مذکورہ بالا پانچوں باتوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ کا حق قرار دیا ہے اور مومن پر ازروئے شریعت ہر حق والے کا حق ادا کرنا واجب ہے لہٰذا جو لوگ راستوں پر بیٹھیں ان پر واجب ہے کہ ان پانچوں باتوں پر عمل کریں۔

﴿۳﴾بلاضرورت راستوں پر بیٹھنا اگرچہ راستہ کے حقوق ادا کرنے کی صورت میں حرام اور گناہ تو نہیں مگر چونکہ یہ کوئی اچھی خصلت بھی نہیں ہے لہٰذا حتی الوسع مسلمانوں کو اس سے پرہیز ہی کرنا چاہیے۔ خصوصاً اس زمانے میں جبکہ بے پردگی بلکہ عریانی و برہنگی فیشن بن چکی ہے سڑکوں اور راستوں پر لوگوں کا بیٹھنا بہت سے مفاسد کا پیش خیمہ ہے لہٰذا اس سے خاص طور پر پرہیز کرنا چاہیے۔

﴿۴﴾راستوں کے پانچوں حقوق کی قدرے تفصیل یہ ہے:

اوّل: نگاہوں کو نیچی رکھنا، چونکہ راستوں پر عورتیں اور مرد بھی گزریں گے اس لیے بیٹھنے والے پر ازروئے حکم شریعت واجب ہے کہ نہ غیر محرم عورتوں پر نظر ڈالیں نہ لوگوں کے ان عیوب کو دیکھیں جن کو راستہ چلنے والے لوگوں سے چُھپانا چاہتے ہیں مثلاً کوڑھی

(1)......ارشادالساری، کتاب الاستیذان، باب قول اللّٰہ تعالی...الخ، تحت الحدیث:۶۲۲۹، ج۱۳، ص۲۷۳

یا سفید داغ والے یا لنگڑے لولے کو گھور گھور کر بار بار نہ دیکھیں کہ اس سے ان لوگوں کی دل آزاری ہوگی۔

دوم: کسی کو ایذا نہ دینا، یعنی اس طرح راستوں پر نہ بیٹھا کریں کہ راستہ تنگ ہو جائے اور گزرنے والوں کو ایذا پہنچے۔ یوں ہی راستہ چلنے والوں کا مذاق نہ اڑائیں، راستہ چلنے والوں کی تحقیر اور عیب جوئی نہ کریں، سفر کرنے والوں کی جاسوسی نہ کریں کہ کون کون، کہاں کہاں جاتا ہے اور کیوں جاتا ہے، غرض راستوں پر بیٹھنے والے اپنے کسی قول و فعل سے گزرنے والوں کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچائیں۔

سوم: ہر گزرنے والے کے سلام کا جواب دیتے رہیں۔

چہارم: راستہ چلنے والوں کو اچھی باتیں بتاتے رہیں مثلاً آگے راستہ میں کوئی خطرہ ہو یا راستہ میں کوئی رکاوٹ ہو تو اس سے راستہ چلنے والوں کو آگاہ کرتے رہیں راستہ بھولنے والوں یا ناواقفوں کو راستہ بتاتے رہیں اور راستہ چلنے کے شرعی آداب لوگوں کو بتاتے اور سکھاتے رہیں۔

پنجم: خلافِ شریعت اور بُری باتوں سے لوگوں کو منع کرتے رہیں تاکہ راستہ چلنے والے سفر میں کوئی خلافِ شریعت کام نہ کرنے پائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جنت کا باغ

حدیث:۲۷

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ[1] (بخاری، باب فضل ما بین القبر والمنبر ص ۱۵۹)

[1] ......صحیح البخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکة و المدینة، باب فضل ما بین القبر و المنبر، الحدیث: ۱۱۹۶، ج ۱، ص ۴۰۳

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کا جو حصّہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان میں ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

فوائد ومسائل: ﴿۱﴾ علامہ عینی علیہ رحمۃ اللہ الغنی نے فرمایا کہ اس حدیث کی صحیح روایت یہی ہے۔ بعض روایتوں میں اس جگہ ''مَا بَیْنَ حُجْرَتِیْ وَمُصَلَّایَ'' کا لفظ آیا ہے اور بعض روایتوں میں ''مَا بَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ'' بھی وارد ہوا ہے۔ بہرحال تینوں روایتوں کا مدّعیٰ اور حاصل ایک ہی ہے۔

﴿۲﴾ یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ بخاری شریف میں چند جگہ مذکور ہے صاحبِ مجمع البحار اور علامہ عینی وعلامہ کرمانی رحمہم اللہ تعالٰی وغیرہ نے اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ یہاں دو احتمال ہیں۔ حدیث میں یا تو معنی حقیقی مُراد ہیں یا مجازی۔ معنی حقیقی تو یہ ہیں کہ یہ زمین کا ٹکڑا درحقیقت جنت ہی کا ایک ٹکڑا ہے اور یہ بعینہ ایک باغ بنا کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا اور یہ میرا منبر بعینہ حوضِ کوثر پر رکھ دیا جائے گا۔

اور معنی مجازی یہ ہیں کہ اس زمین کے ٹکڑے میں عبادت کرنا جنت میں جانے کا سبب ہے اور اس منبر کے پاس عبادت کرنا حوض کوثر سے سیراب ہونے کا ذریعہ ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے کہیں یہ فرمایا کہ

''ذکر کے حلقے جنّت کے باغ ہیں'' کہیں یہ فرمایا کہ ''جنّت تلوار کے سائے کے نیچے ہے'' یعنی ''ذکرِ الٰہی کے حلقوں میں بیٹھ کر عبادت کرنا دخولِ جنت کا سبب ہے'' اور ''تلوار کے سائے میں جہاد کرنا یا شہید ہونا جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔''

یا معنی مجازی یہ ہیں کہ زمین کا یہ ٹکڑا جنت کے باغ کے مثل ہے کہ جس طرح جنت کے باغ میں ہر وقت رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا رہتا ہے اسی طرح اس زمین کے ٹکڑے میں بھی بہت زیادہ رحمت الٰہی نازل ہوا کرتی ہے۔

لیکن حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرّہ العزیز نے ''لمعات شرح مشکوٰۃ'' میں تحریر فرمایا کہ

علماءِ محققین کا یہی قول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کلام حقیقی معنی پر محمول ہے اور اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ زمین کا یہ ٹکڑا حقیقی معنوں میں جنت کے باغ کا ایک ٹکڑا ہے اور قیامت کے دن زمین کا یہ ٹکڑا بِعَینِہٖ جنت میں پہنچا دیا جائے گا اور روئے زمین کے دوسرے ٹکڑوں کی طرح یہ برباد نہیں کیا جائے گا۔[1]

(حاشیہ بخاری، ج۱، ص۱۵۹)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور علامہ ابن حجر نے بھی یہ فرمایا ہے کہ ''وَھٰذَا عَلَیْہِ الْاَکْثَرُ'' یعنی اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔[2] (مرقاۃ)

اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ اگر اس کلام کے معنی مجازی مراد ہوں یعنی اس زمین کے ٹکڑے کو جنت کا باغ کہنا اس معنی کر کے ہو کہ ''اس میں عبادت کرنا جنت میں داخل ہونے کا سبب اور ذریعہ ہے'' یا ''یہ خیر و برکت میں مثل جنت کے ہے'' تو پھر اس بات میں زمین کے اس ٹکڑے کی خصوصیت ہی کیا رہ جاتی ہے اس معنی میں تو ہر مسجد

---

[1] ......حاشیۃ صحیح البخاری، ج۱، ص۱۵۹، مطبوعہ کراچی
وعمدۃ القاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، باب فضل مابین القبر والمنبر، تحت الحدیث: ۱۱۹۵، ج۵، ص۵۷۶

[2] ......مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، تحت الحدیث: ۶۹۴، ج۲، ص۳۹۸

جنّت کا باغ ہے، ہر ذکر کی مجلس جنّت کا باغ ہے، ہر میدان جہاد جنت کا باغ ہے، پھر مقام مدح میں خاص طور پر اس زمین کے ٹکڑے کو ذکر کرنے کا کیا فائدہ۔

پھر ایک خاص بات یہ ہے کہ بعض علماءِ کرام نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ ''مدینہ منورہ'' تمام دنیا کے شہروں سے زیادہ افضل ہے۔ (حاشیہ بخاری، ص ۱۰۹)

ظاہر ہے کہ یہ اِستدلال اُسی وقت درست ہوگا جبکہ اس کے حقیقی معنی مُراد لیے جائیں کہ مدینہ کا یہ ٹکڑا چونکہ جنت ہی کا ایک ٹکڑا ہے اور مدینہ منورہ کے سوا دنیا بھر کے کسی شہر میں بھی ایسا کوئی زمین کا ٹکڑا نہیں ہے اس لیے مدینہ منورہ تمام شہروں سے اس خصوصیت کے لحاظ سے افضل واعلی ہے۔ ورنہ معنی مجازی کے لحاظ سے آپ پڑھ چکے کہ بہت سے مقامات اور جگہیں جنت کا باغ ہیں۔

اسی طرح علامہ خطّابی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کا مقصد لوگوں کو مدینہ منورہ کی سکونت پر ترغیب دلانا ہے۔ (1) (حاشیہ بخاری، ص ۹۷۵)

ظاہر ہے کہ لوگوں کو مدینہ منورہ میں سکونت کی رغبت اسی وقت زیادہ ہوگی جب لوگ یہ سمجھیں گے کہ واقعی حضور کے منبر اور قبر انور کے درمیان میں زمین کا ٹکڑا حقیقت میں اور حقیقی طور پر جنت کا باغ ہے ورنہ محض اتنی سی بات سے کیا رغبت حاصل ہوگی کہ وہاں عبادت کرنے سے جنّت ملے گی یا وہاں جنت جیسی خیر و برکت ہے کیونکہ اتنی سی بات تو دُنیا میں اور بھی بہت سی جگہوں میں پائی جاتی ہے۔

بہر حال محققین کے قول کے مطابق اس حدیث کے یہی معنی راجح ہیں کہ ہر شخص کو یہ ایمان رکھنا چاہئے کہ منبر اور قبر انور کے درمیان کی زمین واقعی، سچ مُچ اور

......حاشية صحيح البخاری، ج ۲، ص ۹۷۵، مطبوعه کراچی

حقیقت میں جنت کا باغ ہے اور قیامت میں یہ زمین کا ٹکڑا مدینہ منورہ سے اُٹھا کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وسیلہ

حدیث:۲۸

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ اِذَا قُحِطُوْا اِسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ: فَيُسْقَوْنَ (1)

(بخاری، ابواب الاستسقاء، ص ۱۳۷)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوتے تھے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کی دُعا مانگا کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یا اللہ! عزوجل ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اس وقت تو ہم کو بارش سے سیراب فرماتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں لہٰذا تو ہم کو سیراب فرما دے تو لوگ سیراب کر دیئے جاتے تھے۔ (یعنی بارش ہو جاتی تھی)۔

فوائد و مسائل:

﴿۱﴾ بخاری شریف کی یہ حدیث کھلی ہوئی دلیل ہے کہ خدا سے دُعا مانگتے وقت حضراتِ

---

(1)......صحیح البخاری، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الامام... الخ، الحدیث: ۱۰۱۰، ج ۱، ص ۳۴۶

انبیاء واولیاء اور دوسرے صُلحاءِ اُمت کا وسیلہ پکڑنا اور ان کے وسیلوں سے اپنی مرادوں کو بارگاہِ الٰہی سے طلب کرنا یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس پر تمام صحابۂ کرام کا اجماع و اتفاق ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ نمازِ استسقاء میں حضور امیر لمؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہزاروں صحابہ دُعا میں شریک ہوتے رہے ہوں گے اور اس دعا کو سنتے رہے ہوں گے۔

اگر خدانخواستہ وسیلوں کے ساتھ دُعا مانگنا شرک یا گناہ ہوتا تو نہ حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم اس طرح دُعا مانگتے نہ صحابہ اس دعاء کو پسند کرتے ۔اگر بال برابر بھی یہ دُعا خلافِ شریعت ہوتی تو ہزاروں صحابہ ہرگز ہرگز اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے بلکہ ضرور حضرت فاروقِ اعظم کو ٹوک دیتے مگر جب حضرت فاروقِ اعظم نے اس طرح دعا مانگی اور تمام صحابہ نے اس دُعا کو پسند کر کے اس پر ''آمین'' کہا تو یہ اجماع ہو گیا کہ بلاشبہ اس طرح دُعا مانگنا جائز بلکہ مستحب ہے۔

﴿۲﴾ حضرت علامہ عینی نے تحریر فرمایا کہ ''ابوصالح'' کی روایت کردہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ منبر پر کھڑا کیا اور پہلے خود اس طرح دُعا مانگی کہ

''اَللّٰھُمَّ اِنَّا تَوَجَّھْنَا اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ وَصِنْوِ اَبِیْہِ فَاسْقِنَا الْغَیْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِیْنَ''

یااللہ! عزوجل ہم سب تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں لہٰذا تو ہم لوگوں کو بارش سے سیراب فرمادے اور ہم کو نا امید نہ فرما۔

اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے فرمایا کہ اے ابوالفضل! تم بھی دُعاء مانگوتو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح دُعاء مانگی کہ

"اَللّٰھُمَّ لَمْ یُنْزَلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ یُکْشَفُ اِلَّا بِتَوْبَۃٍ وَقَدْ تَوَجَّہَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَیْکَ لِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ وَھٰذِہٖ اَیْدِیْنَا اِلَیْکَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِیْنَا بِالتَّوْبَۃِ فَاسْقِنَا الْغَیْثَ"

یااللہ! ہر بلا گناہوں کے باعث ہی اتاری جاتی ہے اور بغیر توبہ کے کوئی بلا دفع نہیں کی جاتی ساری قوم میرے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوئی ہے کیونکہ مجھ کو تیرے نبی سے ایک خاص تعلق ہے یہ ہمارے گناہگار ہاتھ اور ہماری توبہ کرنے والی پیشانیاں تیرے حضور میں حاضر ہیں لہٰذا تو ہم لوگوں کو سیراب فرمادے۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دُعاء کے بعد پہاڑوں کی طرح بدلیاں ہر چہار طرف سے آگئیں اور خوب بارش ہوئی یہاں تک کہ زمین سیراب ہوکر سرسبز وشاداب ہوگئی۔(1) (حاشیہ بخاری، ص ۱۳۷)

﴿۳﴾ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس دُعاء میں یہ تصریح فرمادی کہ پہلے ہم تیرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ بنا کر دُعا مانگا کرتے تھے اور اب ہم تیرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بنا کر دُعا مانگتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ نبی اور غیر نبی، زندوں اور وفات پا جانے والوں، سب کو دُعاؤں میں وسیلہ بنانا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

......عمدۃ القاری، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الامام...الخ، تحت الحدیث: ۱۰۱۰، ج ۵، ص ۲۵۵

تبرکاتِ نبوت

حدیث:۲۹

عَنُ اَبِیُ بُرُدَۃَ قَالَ: قَدِمتُ الْمَدِیْنَۃَ فَلَقِیَنِیُ عَبُدُ اللّٰہِ بُنُ سَلَامٍ فَقَالَ لِیُ: اِنُطَلِقُ اِلَی الْمَنزِلِ فَاَسُقِیُکَ فِیُ قَدَحٍ شَرِبَ فِیُہِ رَسُوُلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیُہِ وَسَلَّمَ وَتُصَلِّیُ فِیُ مَسُجِدٍ صَلّٰی فِیُہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیُہِ وَسَلَّمَ فَانُطَلَقُتُ مَعَہٗ فَسَقَّانِیُ سَوِیُقًا وَاَطُعَمَنِیُ تَمرًا وَصَلَّیُتُ فِیُ مَسُجِدِہٖ [1] (بخاری، ج۲،ص۱۰۹۱)

ترجمہ: ابو بُردہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں مدینہ آیا تو مجھ سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملاقات کی پھر فرمایا کہ تم گھر چلو میں تم کو اس پیالے میں کچھ پلاؤں گا جس پیالے میں رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیا تھا اور تم اُس مسجد میں نماز پڑھو گے جس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ گیا تو انہوں نے مجھ کو (اُس پیالہ میں) ستو پلایا اور کھجور کھلائی اور میں نے ان کی مسجد میں نماز پڑھی۔

حضرت ابو بردہ: ان کا نام عامر ہے۔ یہ بہت مشہور تابعی اور ایک مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اَشعَری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں۔ یہ حدیث میں اپنے والد اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ دوسرے جلیل القدر صحابہ کے شاگرد ہیں۔ قاضی شُرَیح کے بعد یہ کوفہ کے قاضی بنادیئے گئے تھے مگر عبدالملک بن مروان کے گورنر حجاج بن یوسف ظالم نے ان کو معزول کردیا۔[2] (اکمال)

---

[1] ......صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ،باب ما ذکر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وحض علی اتفاق...الخ، الحدیث:۷۳۴۱، ج۴،ص۵۱۸

[2] ......اکمال فی اسماء الرجال،حرف الباء،فصل فی التابعین، ص۵۸۸

حضرت عبداللہ بن سلام: بہت ہی نامور اور مشہور صحابی ہیں۔ یہ یہودیوں کے سب سے بڑے عالم اور توراتِ وانجیل کے بہت ہی ماہر تھے۔ مدینہ ہی کے باشندے تھے، مدینہ ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہودی ان کے بڑے دشمن تھے کیونکہ یہ یہودیوں کے اکثر خود ساختہ مسائل کے ڈھول کا پول کھول دیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی۔ ۴۳ھ کے سال مدینہ منورہ میں ان کا وصال ہوا۔(1)

(اکمال)

فوائد ومسائل: ﴿۱﴾ محدث عبدالرزاق نے اس حدیث کو اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بُردہ کے والد حضرت ابوموسیٰ اَشعَری نے خاص طور پر ابو بُردہ کو مدینہ منورہ حضرت عبداللہ بن سلام کی خدمت میں علم حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام سے ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے مرحبا (خوش آمدید) کہا اور پھر فرمایا کہ تم میرے مکان پر چلو میں تمہاری اس شان کے ساتھ مہمان نوازی کروں گا کہ میں تم کو اُس مقدس پیالے میں کچھ پلاؤں گا جس میں حضور رحمتِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانی نوش فرمایا تھا اور تم میری مسجد میں نماز پڑھو گے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ چنانچہ جب ابو بُردہ ان کے مکان پر گئے تو انہوں نے کھجور کھلا کر اسی متبرک پیالے میں ستو گھول کر پلایا۔

﴿۲﴾ **تبرکاتِ نبوت کی تعظیم:** اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات کی تعظیم وتکریم اور ان کیساتھ والہانہ محبت صحابہ کرام کا مقدس طریقہ ہے۔ چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ کرام ہر اس چیز کی تعظیم واحترام

---

(1)......اکمال فی اسماء الرجال، حرف العین، فصل فی الصحابۃ، ص ۶۰۴

کرتے تھے جس کو حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی نسبت و تعلق ہو۔ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ حضرت محمد بن سِیرین مشہور باکرامت تابعی محدث نے ''عُبَیْدہ'' محدث سے کہا کہ میرے پاس حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چند موئے مبارک ہیں جو حضرت انس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر والوں نے مجھے عطا کئے ہیں۔ یہ سن کر ''عُبَیْدہ'' نے کہا کہ اگر میرے پاس ان مقدس بالوں میں سے ایک بال بھی ہوتا تو وہ میرے نزدیک تمام دنیا و مافیہا سے بڑھ کر محبوب ہوتا۔

حضرت انس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃُ الوَداع کے موقع پر مِنٰی میں اپنے سر کے بال اتروائے تو سب سے پہلے حضرت ابوطلحہ نے حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس بالوں کو بطور تبرک لے لیا۔(1)

(بخاری، باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان، ج۱،ص۲۹)

اسی طرح صحابہ کرام حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑوں کو بھی انتہائی معظم و متبرک سمجھتے تھے۔ حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء کے پاس حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ''جُبّہ'' تھا۔ وہ بیماروں کو اس کا دھوون پلاتی تھیں اور شفاء حاصل ہوتی تھی۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ٹوپی میں حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کو تبرکاً رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہر جنگ میں انہی مقدّس بالوں کی برکت سے مجھے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ بخاری شریف میں متعدد جگہ یہ حدیث ہے کہ صحابۂ کرام حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غسالہ وضو کو لوٹ لیتے تھے اور برکت کے لیے اپنے چہروں پر ملتے تھے۔ اسی

---

1 ......صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب الماء الذی یغسل به شعر الانسان، الحدیث: ۱۷۱، ج ۱، ص ۸۳

طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لعابِ دہن اور کھنکار کو بھی صحابہ زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے بلکہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں اور آنکھوں پر مل لیا کرتے تھے۔

حضرت اَنَس صحابی نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ میری موت کے بعد میرے بدن اور کفن میں وہی خوشبو لگائی جائے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ ملا ہوا ہے۔ (1)

(بخاری، ج ۲، باب من زار قوما فقال عندہم، ص ۹۲۹)

اس طرح کی بہت سی حدیثوں کو علامہ شوکانی نے "نَیْلُ الْاَوْطار" میں ذکر فرما کر یہ تحریر کیا ہے کہ قَدِ اسْتَدَلَّ الْجُمْهُوْرُ بِصَبِّهٖ لِوَضُوْئِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَابِرٍ وَ تَقْرِيْرِهٖ لِلصَّحَابَةِ عَلَى التَّبَرُّكِ بِوَضُوْئِهٖ (2) (نیل الاوطار، ج ۱، ص ۱۹)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر پر اپنے وضو کا پانی ڈالا اور صحابہ نے جو حضور کے غسالۂ وضو کو اپنے جسموں پر ملا اور حضور نے منع نہیں فرمایا تو اس سے جمہور علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضور کے وضو کے پانی کو تبرک بنانا چاہیے۔

بہر کیف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام تبرکات کی تعظیم کرنی چاہیے اور ان کو متبرک سمجھ کر ان کا ادب و احترام کرنا چاہیے۔

موئے مبارک کی زیارت: لہٰذا اس زمانے میں بھی جن بالوں اور جبوں کے متعلق مشہور ہے کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا موئے مبارک اور جُبہ شریف ہے ہرگز ہرگز نہ اس کی تکذیب کرنی چاہیے نہ توہین و بے ادبی بلکہ انتہائی والہانہ عقیدت کے ساتھ ان کو تبرک سمجھ کر زیارت کرنی چاہیے۔

کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو واقع میں وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے

---

1 ......صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب من زار قوماً...الخ، الحدیث: ۶۲۸۱، ج ٤، ص ۱۸۲

2 ......نیل الاوطار فی شرح منتقی الاخبار، کتاب الطھارۃ، باب طھارۃ الماء المتوضأ بہ، ج ۱، ص ۵۹

موئے مبارک ہوں گے یا نہیں اگر واقع میں جیسا کہ مشہور ہے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے مقدس بال ہیں جب تو ظاہر ہے کہ ان کی تکذِیب یا توہین و تَنْقِیص سے آدمی یقیناً قہر قہار و غضبِ جبّار میں گرفتار ہو جائے گا کہ توبہ، نعوذ باللہ! وہ حضور کے مقدس بال کی توہین کے وبال میں پڑ گیا اور اگر واقع میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک بال نہیں ہیں بلکہ لوگوں نے خواہ مخواہ مشہور کر دیا ہے تو بھی اس کی تعظیم و تکریم کرنے میں کوئی دینی نقصان نہیں بلکہ نیک نیّتی اور عقیدت کی بنا پر ثواب ہی کی امید ہے کیونکہ عمل کے ثواب کا دارومدار نیت پر ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نیتوں کا جاننے والا اور ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

لطیفہ: اس سلسلے میں احمد آباد کا ایک واقعہ میری زندگی کی ایک نا قابلِ فراموش داستان ہے۔ بارہویں شریف کے مہینے میں عام طور پر احمد آباد میں بہت سی جگہوں پر موئے مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ غالِباً ''دلّی چکلہ'' یا کسی دوسرے محلّہ میں کسی جگہ موئے مبارک کی زیارت کا جلسہ تھا لوگ زیارت کر رہے تھے کہ ناگہاں ایک وہابی عقیدہ کا نوجوان اکڑ گیا اور اہلِ محلّہ سے مطالبہ کیا کہ اس بال کے موئے مبارک ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ میں کس طرح یہ تسلیم کر لوں کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کا مقدس بال شریف ہے؟ اس پر بہت زیادہ ''تُو تُو، میں میں'' ہوئی۔ چنانچہ محلّہ کے لوگ اس نوجوان کو لے کر میرے پاس دارالعلوم شاہ عالَم میں آئے۔ اس نوجوان نے بڑی بے باکی اور بے ادبی کے ساتھ مجھ سے گفتگو شروع کی اور مجھ سے بھی یہی مطالبہ کیا کہ آپ ثابت کیجئے کہ شہر احمد آباد میں جتنی جگہوں پر موئے مبارک ہیں وہ واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ''بال شریف'' ہیں۔ اس کا کیا ثبوت ہے؟

اس وقت قدرتی طور پر مجھے یہ جواب سمجھ میں آیا کہ میں نے اس سے انتہائی نرمی اور محبت کے لہجہ میں پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ ''عبدالقادر'' پھر میں نے پوچھا تمہارے والد کا کیا نام ہے؟ تو اس نے کہا کہ ''عبداللہ بھائی'' میں ایک منٹ خاموش رہا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم عبداللہ بھائی کے بیٹے ہو؟ اس نے کہا ''جی ہاں'' میں پھر ایک منٹ خاموش رہا اور میں نے پھر اس سے پوچھا کہ کیا تم عبداللہ بھائی ہی کے بیٹے ہو؟ میرے اس سوال پر وہ بھڑک اُٹھا اور چلا کر کہا کہ کیا آپ بار بار مجھ سے یہی سوال کرتے ہیں کہ تم عبداللہ بھائی ہی کے بیٹے ہو؟ میں چپ رہا۔ جب اس کا غصہ بہت تیز ہو گیا تو میں نے کہا کہ میں نہیں مانتا کہ تم عبداللہ بھائی کے بیٹے ہو تمہارے پاس کون سا ایسا ثبوت ہے کہ تم عبداللہ بھائی کے بیٹے ہو؟ جب تک تم اس کا ثبوت نہیں پیش کرو گے میں ہرگز ہرگز تم کو عبداللہ بھائی کا بیٹا نہیں مان سکتا۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ اب میں نے ڈانٹتے ہوئے تڑپ کر کہا کہ ''بولتے کیوں نہیں؟ کیا ثبوت ہے کہ تم عبداللہ بھائی کے بیٹے ہو؟'' پھر بھی وہ چپ رہا مگر اس کا چہرہ اتر گیا۔ میں نے جب محسوس کر لیا کہ یہ اب لاجواب ہو چکا ہے تو میں نے خود اس سے کہا کہ بھائی! اس کے سوا تمہارے پاس اور کیا ثبوت ہے کہ تمہاری ماں نے یہ بتایا ہے کہ تم عبداللہ ہی کے بیٹے ہو؟ تمہاری ماں کے سوا تمہارے عبداللہ کا بیٹا ہونے پر دنیا بھر میں نہ کوئی گواہ ہے نہ کوئی ثبوت مگر تم محض اپنی ماں کے کہنے پر عبداللہ کے باپ ہونے کا اتنا پکا یقین رکھتے ہو کہ خانہ کعبہ کے اندر سر پر قرآن رکھ کر بھی تم یہی کہو گے کہ میں عبداللہ کا بیٹا ہوں۔ تو عزیزِ مَن! فقط ایک عورت کے کہہ دینے سے تم نے مان لیا اور یقین کر لیا کہ تمہارا باپ عبداللہ ہے تو آج سینکڑوں برس سے ہزاروں، لاکھوں انسان یہ کہتے چلے

آئے ہیں کہ احمد آباد کے تمام موئے مبارک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے بال شریف ہیں تو اگر ہم لوگ اس بات کا یقین کرلیں کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے مقدس بال ہیں تو اس میں اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟ ایک عورت تو جھوٹ بھی بول سکتی ہے مگر سینکڑوں برس کے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے بارے میں یہ کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں؟

میری یہ جذبات سے بھری ہوئی گفتگو سن کر وہ اس قدر متاثر ہوا کہ رو پڑا یہاں تک کہ وہ میرے گھٹنوں پر سر رکھ کر رونے لگا اور کہا کہ حضور! میں توبہ کرتا ہوں کہ اب کبھی بھی میں ان مقدس بالوں کی تکذِیب یا توہین و تنقیص نہیں کروں گا اور مجھے یقین ہوگیا کہ واقعی ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی بات جھوٹ اور غلط نہیں ہوسکتی۔

اس کے بعد وہ نوجوان کہنے لگا کہ حضور! لیکن ایک شبہ میرے دل میں اَور ہے جو کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے اس کے بارے میں بھی حضور کچھ روشنی ڈالیں تو میں بہت ہی ممنون ہوں گا شاید میرا یہ شبہ بھی دور ہوجائے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ تو کہنے لگا کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس دنیا سے تشریف لے گئے ساڑھے تیرہ سو برس سے زائد ہوگئے اس طویل مدت اور اتنے لمبے زمانے میں بال تو بال کوئی ہڈی بھی اپنی اصلی حالت پر بدستور قائم نہیں رہ سکتی کیا کوئی بال ساڑھے تیرہ سو برس تک بغیر گلے سڑے ''جیوں کا تیوں'' اپنی اصلی حالت پر باقی رہ سکتا ہے؟

میں نے چُمکار کر اس کو جواب دیا کہ بیٹا! تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ میرے اور تمہارے بال ساڑھے تیرہ سو برس تو کیا برس دو برس بھی ایک حالت پر سلامت اور باقی نہیں رہ سکتے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ

اَنْ تَاکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ (1)(مشکوٰۃ،باب الجمعہ،ص ۱۲۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ نبیوں کے بدن کو کھائے، اللہ کے سب نبی زندہ ہیں اوران کوروزی دی جاتی ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں لہٰذا ان کے مقدس جسم کا گلنا سڑنا محال ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بال شریف حضور ہی کے جسم کا ایک جزو ہیں تو اللہ تعالیٰ نے حضور کے ان بالوں کو بھی یہ فضیلت عطا فرمادی ہے کہ وہ حضور کے جسم مبارک کی طرح کبھی سڑگل نہیں سکتے۔تم دیکھ لو کہ سینکڑوں برس سے احمد آباد کے ان تمام مقدس بالوں کا ایک ہی حالت پر قائم رہنا یہ بھی ایک کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے موئے مبارک ہیں ورنہ اگر کسی دوسرے کے یہ بال ہوتے تو کبھی کے سڑگل کر فنا ہوچکے ہوتے۔یہ سن کر وہ نوجوان پھر آبدیدہ ہوگیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم! میرے تمام شبہات دُور ہوگئے اور مجھ کو یقین کامل ہوگیا کہ ''یہ موئے مبارک بالکل اصلی ہیں'' میں نے خدا کا شکر ادا کیا،لوگ بھی بہت خوش ہوئے اور وہ نوجوان بھی وہابیت سے مُتنفّر ہوکر پختہ سُنّی ہوگیا۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

تصویریں

حدیث:۳۰

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِی الْحَسَنِ قَالَ: کُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ اِذْ جَاءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ: یَا ابْنَ عَبَّاسٍ اِنِّیْ رَجُلٌ اِنَّمَا مَعِیْشَتِیْ مِنْ صَنْعَۃِ یَدِیْ وَاِنِّیْ اَصْنَعُ ھٰذِہِ التَّصَاوِیْرَ فَقَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ لَا اُحَدِّثُکَ اِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

(1)......مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ،باب الجمعۃ، الحدیث:۱۳۶۶، ج۱،ص۲۶۵

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهُ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيْهِ الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيْهَا اَبَدًا فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيْدَةً وَاصْفَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ: وَيْحَكَ اِنْ اَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ وَكُلِّ شَيْئٍ لَيْسَ فِيْهِ رُوْحٌ (1)

(مشکوٰۃ، باب التصاویر)

ترجمہ: سعید بن ابی الحسن راوی ہیں انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھا کہ ناگہاں ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ اے ابن عباس! میں ایسا آدمی ہوں کہ میری روزی میرے ہاتھ کی کاریگری سے چلتی ہے اور میں ان تصویروں کو بناتا ہوں، تو ابن عباس نے فرمایا کہ تم سے وہی حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میں نے خود رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے۔ میں نے حضور کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص تصویر بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک عذاب دے گا جب تک کہ وہ اس تصویر میں روح نہ پھونک دے اور وہ اس تصویر میں کبھی بھی روح نہیں پھونک سکے گا تو اس آدمی نے لمبا سانس کھینچا اور (خوف سے) پیلا پڑ گیا۔ پھر ابن عباس نے فرمایا کہ تیرا ناس ہو اگر تو اس کے بنانے سے باز نہیں رہ سکتا تو ان درختوں اور بے جان والی چیزوں کی تصویر بنایا کر۔

حضرت سعید بن ابی الحسن: اس حدیث کے راوی سعید بن ابی الحسن بصری تابعی محدث ہیں اور علم حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگردِ رشید ہیں اور ان کے شاگردوں کی فہرست میں قتادہ اور عون جیسے حدیثوں کے پہاڑ ہیں۔ ۱۰۹ھ میں ان کا وصال ہوا۔(2) (اکمال)

---

1 ......مشکاۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب التصاویر، الحدیث:۴۵۰۷، ج۲، ص ۱۴۰

2 ......اکمال فی اسماء الرجال، حرف السین، فصل فی التابعین، ص۵۹۸

شرحِ حدیث: یہ بخاری شریف کی حدیث ہے، اس حدیث کا مطلب بالکل ہی واضح ہے کہ جاندار چیزوں کی تصویر بنانے والے کو خداوند قہّار وجبّار یہ فرما کر عذاب دے گا کہ تم اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں روح پھونک کر ان کو زندہ کرو جب تک تم ان تصویروں میں روح نہیں پھونکو گے عذاب میں گرفتار رہو گے اور ظاہر ہے کہ وہ ان تصویروں میں کبھی بھی روح نہیں پھونک سکے گا اس لیے وہ اس وقت تک عذاب میں مبتلا رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرما کر اس کو نہ بخش دے۔

فوائد ومسائل: ﴿۱﴾ اس دورِ پُرفتن کی دینی مصیبتوں میں سے ایک بہت بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ ہر قسم کے سامانوں پر جاندار مخلوقات کی تصویریں عموماً نظر پڑتی ہیں۔ ایک طرف تو مسلم نوجوانوں کا یہ حال ہے کہ وہ ایکٹروں اور ایکٹرسوں یا لیڈروں کی تصویروں سے اپنے مکانوں کو سجا کر ہر ہر کمرے کو بت خانہ بنائے ہوئے ہیں دوسری طرف جاہل صوفی کہلانے والوں کی یہ حرکت ہے کہ وہ بزرگوں کی کچھ اصلی کچھ فرضی تصویریں اپنے گھروں میں رکھے ہوئے ہیں روزانہ ان پر ہار پھول چڑھاتے ہیں اور بعض ان تصویروں کے سامنے مراقبہ کرتے ہیں جو سراسر گمراہی ہے۔ واضح رہے کہ ان تصویروں کا رکھنا سخت حرام و ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہے۔ لہٰذا علماءِ کرام اور پابند شرع مشائخ کا فرض ہے کہ ان جاہل اور بدعتی صوفی بننے والے باباؤں کو ہمیشہ جھاڑتے، پھٹکارتے اور لتاڑتے رہیں اور عوام کو ان بے شرع لوگوں سے دُور رہنے کی تلقین کرتے رہیں اور جن گھروں میں بھی تصویریں ہوں علماء کرام کو چاہیے کہ ہرگز ہرگز نہ اُن گھروں میں قیام کریں نہ اُن گھروں میں کھانا کھائیں تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔

﴿۲﴾ کیمرہ یا قلم یا پنسل سے کسی جاندار مخلوق کی تصویر بنانا یا بنوانا یا خریدنا بیچنا یا گھر

میں رکھنا یہ سب حرام اور گناہ ہے۔

﴿۳﴾ غیر جاندار چیزوں کی تصویریں بنانے میں شرعًا کوئی حرج نہیں ہے۔

﴿٤﴾ حج فرض یا تبلیغ اسلام یا حقوق العباد کی ادائیگی یا دوسرے ضروری دینی مقاصد کے لیے سفر کے پاسپورٹ پر تصویر لگانا بوجہ ضرورت اور مجبوری اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا بشرطیکہ تصویر لگانے والا اس سے راضی نہ ہو اور بادلِ نخواستہ مجبوری کی بناء پر تصویر بنواتا اور لگاتا ہو۔

زمین کے خزانے

حدیث:۳۱

عَنْ عُقْبَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ یَوْمًا فَصَلّٰی عَلٰی اَھْلِ اُحُدٍ صَلَاتَہٗ عَلَی الْمَیِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ: اِنِّیْ فَرَطٌ لَکُمْ وَاَنَا شَھِیْدٌ عَلَیْکُمْ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِی الْآنَ وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْمَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْ فِیْھَا [1] (بخاری، کتاب الحوض، ج۲،ص۹۷۵)

ترجمہ: حضرت عُقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم ایک دن گھر سے باہر تشریف لے گئے اور ''شہداءِ اُحد'' کی قبروں پر اس طرح نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھی جاتی ہے پھر پلٹ کر منبر پر رونق اَفروز ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہارا پیش رو اور تمہارا گواہ ہوں اور میں خدا کی قسم! اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اور میں بخدا یقین کے

[1] ......صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، الحدیث: ٦٥٩٠، ج٤، ص٢٧٠

ساتھ کہتا ہوں کہ مجھ کو تم لوگوں کے بارے میں ذرا بھی یہ ڈر نہیں ہے کہ تم لوگ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم لوگ دنیا میں رغبت اور ایک دوسرے پر حسد کرو گے۔

حضرت عقبہ: عُقبہ بن عامر جُہنی صحابی ہیں۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں مصر کے گورنر تھے۔ پھر گورنری سے معزول کر دیئے گئے اور مصر ہی میں ۵۸ھ کے سال ان کا وصال ہوا۔ صحابہ اور تابعین کی بہت بڑی جماعت نے ان سے حدیثوں کی روایت کی ہے۔(1) (اکمال)

فوائد ومسائل: اس حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد ومسائل پر روشنی پڑتی ہے۔

زیارتِ قبور: ﴿۱﴾ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شہداءِ احد کی شہادت کے آٹھ سال بعد ان کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاص زیارت کے قصد سے قبروں پر جانا خصوصاً شہداء وصالحین کی قبروں کی زیارت کرنی یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔

جو لوگ قبروں کی زیارت کے سفر کو شرک یا معصیت ٹھہراتے ہیں وہ صراحۃً اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں اور سراسر گمراہی و بدعقیدگی کے وبال میں گرفتار ہیں۔ علامہ صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیت "وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ" (2) کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کے مقابر کی زیارت کرنے والے مسلمانوں کو اس خیال سے کافر کہنا کہ زیارت قبور غیر اللہ کی عبادت ہے یہ بالکل کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت ہرگز ہرگز غیرُ اللہ کی عبادت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے بارے میں محبت

---

(1)...... اکمال فی اسماء الرجال، حرف العین، فصل فی الصحابة، ص٦٠٦

(2)...... ترجمۂ کنز الایمان: اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ (پ٦، المائدة: ٣٥)

رکھنے کی ایک نشانی ہے۔(1) (صاوی، ج۱،ص ۲۴۵)

﴿۲﴾اس حدیث میں ”فَصَلّٰی عَلٰی اَھْلِ اُحُدٍ صَلَاتَہٗ عَلَی الْمَیِّتِ“ کے بارے میں دو قول ہیں علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ نماز جنازہ میں جس طرح میت کے لیے دُعا پڑھی جاتی ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شہداء اُحد کے لیے اُن کی قبروں کے پاس دعا مانگی۔

لیکن دوسرے شارحینِ حدیث نے فرمایا کہ آپ نے پورے آٹھ برس کے بعد شہدائے اُحد کی قبروں پر ٹھیک اسی طرح نمازِ جنازہ ادا فرمائی جس طرح آپ دوسری اموات کی نماز جنازہ پڑھتے تھے۔اس صورت میں یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے شمار کیا جائے گا کہ آٹھ برس کے بعد کسی میت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے دوسرے لوگوں کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔

﴿۳﴾ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر یہ فرمایا کہ ”اِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ“ میں تم لوگوں کے لیے ”پیش رو“ ہوں۔”فَرَطْ“ عربی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں جو کہیں جانے والی جماعت سے پہلے ہی پہنچ کر اس جماعت کی تمام ضروریات کا انتظام مہیا کیا کرتا ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں تم تمام امتیوں کے لیے ”فَـرَط“ ہوں یعنی تم سے پہلے عالمِ آخرت میں پہنچ کر تمہاری شفاعت اور تمہاری مغفرت کا تمہارے آنے سے پہلے ہی انتظام کروں گا۔

﴿۴﴾اس حدیث میں ”وَاَنَا شَھِیْدٌ عَلَیْکُمْ “فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ اعلان فرما دیا کہ میں تم تمام امتیوں کا قیامت میں گواہ ہوں یعنی تم لوگوں کے ایمان اور اعمال و

---

1 ......حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین،سورۃ المائدۃ،تحت الآیۃ: ۳۵،ج ۲، ص ۴۹۷

اَفعال کے متعلق میں خداوندِ عالَم جل جلالہ کے حضور گواہی دوں گا۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ صاف ہوگیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم قیامت تک آنے والے اپنے ایک ایک ''اُمّتی'' اوران کے اعمال وافعال سے باخبر ہیں اورسب کچھ ان کے علم میں ہے ورنہ ظاہر ہے کہ بغیر دیکھے اور بغیر جانے کسی بات کی گواہی دینا شرعًا حرام وناجائز ہے اس لیے یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم بے جانے قیامت میں اپنی امت کے لیے گواہی دیں گے۔

﴿۵﴾ اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِیْ الْآنَ'' یعنی خدا کی قسم! میں اس وقت اپنے حوض (کوثر) کو دیکھ رہا ہوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ نبوت اتنی معجزانہ تھی کہ عالَمِ دنیا میں اپنے منبر پر رونق افروز ہوتے ہوئے عالَمِ آخرت میں جنت کے اندر اپنے حوض کوثر کو دیکھ لیا۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ آفتابِ نیم روز کی طرح روشن ہوگیا کہ جس طرح حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی ذات وصفات تمام مخلوق میں بے مثل و بے مثال ہے اسی طرح آپ کے ہر ہر عضو شریف کی طاقتیں اور توانائیاں بھی بے مثل و بے مثال ہیں۔ لہٰذا حضور کے اعضاءِ شریفہ کی معجزانہ طاقتوں کو اگر کوئی اپنے اعضاء کی طاقتوں پر قیاس کرے تو یہ بہت بڑی گمراہی اور جہالت ہے۔ کہاں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اور کہاں ہم عیوب ونقائص کے پُتلے؟ ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

﴿۶﴾ اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ '' وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ '' یعنی زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کی گئیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں دے دی ہیں۔

خزانے کی کنجیوں کو کسی کے ہاتھ میں دے دینا اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ تمام دنیا جانتی ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے تو ''تالا کنجی'' فلاں کے ہاتھ میں دیدیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوا کرتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو اپنے خزانوں میں تَصَرُّف کا مالک ومختار بنادیا ہے۔ اب قابل غور یہ بات ہے کہ ''زمین کے خزانوں'' سے یہاں کیا مراد ہے تو بعض شارحین حدیث نے یہ فرمایا کہ اس سے مراد آپ کی وہ فتوحات ہیں جو آپ کو یا خلفاء راشدین یا ان کے بعد کے اُمراء وسلاطین کو حاصل ہوئیں کہ سلطنت روم و فارِس وغیرہ کے تمام خزانے مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ ''اَنْتُمْ تَنْتَثِلُوْنَهَا'' یعنی زمین کے خزانے جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو عطا کیے گئے تم اس کو نکال رہے ہو اور حاصل کر رہے ہو۔

اور بعض شارحین حدیث نے فرمایا کہ ان خزانوں کے علاوہ سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات، لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ قسم قسم کی دھاتیں اور تیل پٹرول وغیرہ کے خزانے بھی مُراد ہیں کہ سب خزانے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت حضور کی امت کو مل گئے۔

﴿۷﴾ فقیر راقمُ الحروف کا خیال ہے کہ شارحین حدیث نے زمین کے خزانوں کے بارے میں اسلامی فتوحات یا زمین کی قسم قسم کی کانوں کا جو تذکرہ کیا ہے یہ مثال کے طور پر ہے ورنہ ''خزائن الارض'' صرف یہی سب اور اتنی ہی چیزیں نہیں ہیں بلکہ ''خزائن الارض'' میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو زمین میں سے نکلتی ہیں۔ اس بناء پر تمام جمادات، نباتات اور حیوانات، سبھی زمین کے خزانے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر قسم کی سبزیاں، غلے، پھل، قسم قسم کے ذائقے اور غذائیں، طرح طرح کی دوائیں، یہ سب زمین ہی میں سے نکلتی ہیں۔

جانداروں کے نُطفے بھی زمین سے نکلی ہوئی غذاؤں ہی کی پیداوار ہیں کیونکہ اگر جاندار زمین سے نکلی ہوئی غذائیں نہ کھاتے تو ان کی زندگی کہاں ہوتی؟ ان کے جسم میں خون کہاں سے پیدا ہوتا؟ اور بلا خون کے نُطفہ اور مَنی کہاں سے پیدا ہوتی؟ غرض تمام جانور اور جاندار اور ان جانداروں کی زندگانی کا سارا ساز و سامان زمین ہی سے نکلتا ہے۔ اس لحاظ سے ''خزائن الارض'' میں تمام حیوانات، نباتات، جمادات داخل ہیں بلکہ زمین و آسمان کے درمیان کی کائنات بھی زمین کے خزانوں میں شامل ہے۔ کیونکہ بدلی، بارش، اولے، قوسِ قُزح، ہالہ، رَعد، بَرق، غرض تمام فضائی کائنات زمین ہی سے نکلے ہوئے ''بخارات'' کی پیداوار ہیں۔

لہٰذا اب اس حدیث شریف کا یہ مطلب ہوا کہ زمین کی ساری کائنات اور تمام مخلوقات جو سب زمین کے خزانے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سب میں تصرف کا مالک و مختار بنا دیا ہے۔

جب حدیث کے اندر لفظ ''خزائن الارض'' میں کوئی تقیید یا تخصیص موجود نہیں ہے بلکہ جمع کی اضافت اِستغراق کا اِفادہ کر رہی ہے تو پھر اس صورت میں ظاہر ہے کہ یقیناً اس لفظ کو اس کے عموم ہی پر رکھا جائے گا اور اس کے عام ہونے ہی کی صورت میں یہ حدیث مقامِ مدح میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شایان شان رہے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کل کائناتِ زمین کا مختار بنا دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿۸﴾ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''وَاِنِّیْ وَاللہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ'' یعنی خدا کی قسم! میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے اپنے بعد میں تمہارے مشرک ہو جانے کا کوئی خوف نہیں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اس حدیث میں غیب کی خبر دے رہے ہیں کہ میری امت قیامت تک مشرک نہیں ہوگی اوراس امت میں شرک نہیں پھیلے گا۔

اگر چہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ اس وقت تک قیامت نہیں قائم ہوگی جب تک کہ ''قبیلہ دوس'' کی عورتیں بتوں کا طواف نہ کریں گی۔ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت ایک دم مشرک ہوجائے ایسا تو قیامت تک نہیں ہوگا لیکن کہیں کہیں کچھ بستیوں والے یا کچھ افراد شرک میں مبتلا ہوجائیں ایسا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ''قبیلہ دوس'' کی عورتوں میں شرک پھیل جائے گا جیسا کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے۔

﴿۹﴾ حدیث کا آخری ٹکڑا ''وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْ فِیْهَا'' کا یہ مطلب ہے کہ مجھے یہ خوف اور ڈر ہے کہ میری امت والے دُنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر اس طرح دُنیا کی رغبت میں پھنس جائیں گے کہ ایک دوسرے سے بغض و حسد کریں گے اور جنگ وجِدال، کُشت و قِتال کا بازار گرم کریں گے چنانچہ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جیسے اگلی امتیں دنیا کی رغبتوں میں پھنس کر ہلاک ہوگئیں اسی طرح میری امت بھی دُنیاوی رغبتوں کا شکار ہو کر ہلاکت کے غار میں گر پڑے گی۔

چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سینکڑوں برس پہلے جو غیب کی خبر دی تھی آپ کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی کہ صحابہ اور تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے بعد دُنیاوی رغبتوں کے باعث اُمتِ رسول میں تَحاسُد و تَباغُض کا دور دورہ اس شدت اور تیزی کے ساتھ رونما ہوگیا کہ مسلمانوں کے درمیان جنگ وجِدال اور کُشت وقِتال کا بازار

گرم ہوگیا اور روز بروز مسلمانوں کا یہ مرض اس تیزی کے ساتھ بڑھتا چلا جا رہا ہے کہ کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ قومِ مسلم کا کیا حال ہوگا؟ مسلمانوں کے ہر طبقے میں حرص و ہوس اور بغض و حسد کی بیماری اس طرح پھیل گئی ہے کہ ''مسلم معاشرہ'' اقوام عالم کی نگاہوں میں اسقدر ذلیل و خوار ہو چکا ہے کہ غیر مسلموں کا بچہ بچہ مسلمانوں کے کرتوت اور کردار سے متنفر و بیزار نظر آرہا ہے۔ گھر گھر میں سامانوں اور جائدادوں کے جھگڑوں کی کش مکش اور دنیاوی اقتدار کی جنگ سے ''مسلم معاشرہ'' جنگ و جِدال کی آماجگاہ اور کُشت و قتال کا میدان کارزار بنا ہوا ہے جس کا نتیجہ نظروں کے سامنے ہے کہ مسلم قوم ہلاکت و تباہی کے ایسے عمیق غار میں گرتی چلی جارہی ہے کہ اب نصرت خداوندی کے سوا اس قوم کی صلاح و فلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے۔ فیااسفاہ و یاحسرتاہ

علماء کی دست بوسی

حدیث:۳۲

عَنْ زَارِعٍ وَكَانَ فِيْ وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَّوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهٗ.

رواه ابو داود (1) (مشکوٰۃ، باب المصافحہ، ص۴۰۲)

ترجمہ: حضرت زارِع جو قبیلہ عبدالقَیس کے نمائندوں میں شامل تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم لوگ جلدی جلدی اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے لگے۔

......مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، الحديث: ٤٦٨٨، ج٢، ص ١٧١

حضرت زارِع: حضرت زارِع بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی ہیں اور قبیلہ عبدالقَیس کے جو نمائندے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے یہ اس وفد میں شامل تھے۔ محدثین نے ان کو ''بصری محدثین'' کی فہرست میں داخل کیا ہے اور ان کی حدیثیں عام طور پر بصری محدثین ہی کے پاس رہیں۔(1) (اکمال)

فوائد و مسائل: ﴿۱﴾ اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ علماء و مشائخ اور صُلحاءِ امت کے ہاتھ پاؤں کو عقیدت و محبت سے چومنا جائز ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر علماء اور بادشاہ کے ہاتھ کو ان کے علم اور دینداری نیز دین کی تعظیم کی نیت سے کوئی چوم لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں اگر کسی دُنیاوی غرض کے لالچ میں ایسا کرے تو یہ سخت مکروہ ہے۔(2) (اشعۃ اللمعات، ج۴،ص۲۳)

﴿۲﴾ علماء کا ہاتھ چومنے پر طعنہ زنی کرنے والوں کے لیے اس حدیث اور شیخ محقق کی تصریح میں یقیناً ہدایت کا بہت بڑا سامان ہے بشرطیکہ ان کے دلوں پر عناد و انکار کی مہر نہ لگ چکی ہو۔

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ علماء کرام کے اعزاز و وقار اور ان کے اثر و اقتدار کو حاسدانہ نگاہوں سے دیکھنے والے کبھی بھی اور کہیں بھی اور کسی طرح بھی اپنی زبانوں کو اعتراض کی گندگی سے نہیں بچائیں گے کیونکہ ''حسد'' ایک ایسی آگ ہے کہ تمام سمندروں کا پانی بھی اس آگ کو نہیں بجھا سکتا اور اس آگ کے بجھنے کی اس کے سوا کوئی صورت ہی نہیں ہے کہ حاسد کی زندگی کا چراغ ہی بجھ جائے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ

---

(1)......اکمال فی اسماء الرجال، حرف الزای، فصل فی الصحابۃ، ص۵۹۵

(2)......اشعۃ اللمعات، کتاب الآداب، باب المصافحۃ والمعانقۃ، ج۴، ص۲۳

نے بڑے پتے کی بات لکھ دی ہے کہ ؎

بمیر تا برہی اے حسود ! کیں رنجے است
کہ از مشقت آں جز بمرگ نتواں رست

یعنی اے حسد کرنے والے! تو مر جا! کیونکہ تیرا یہ حسد ایک ایسا رنج ہے کہ تو اس کی مشقت سے بغیر مرے ہوئے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔

تین مُنْجِیات تین مُہلِکات

حدیث:۳۲

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلٰثٌ مُنْجِیَاتٌ وَثَلٰثٌ مُهْلِكَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِیَاتُ فَتَقْوَی اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِی الرِّضٰی وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًی مُتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِیَ اَشَدُّهُنَّ (1)

(مشکوٰۃ، باب الغضب والکبر، ص۴۳۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین (خصلتیں) نجات دلانے والی اور تین (خصلتیں) ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔ نجات دلانے والی (خصلتیں) یہ ہیں: ﴿۱﴾ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرنا ﴿۲﴾ خوشی و ناراضگی میں حق بولنا ﴿۳﴾ مالداری اور فقیری میں درمیانی چال چلنا، اور ہلاکت میں ڈالنے والی (خصلتیں) یہ ہیں: ﴿۱﴾ نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا ﴿۲﴾ بخیلی کی اطاعت کرنا ﴿۳﴾ اپنی ذات پر گھمنڈ کرنا اور یہ ان تینوں میں سب سے زیادہ سخت ہے۔

---

1 ......مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الغضب والكبر، الحديث: ۵۱۲۲، ج۲، ص۲۳۵

فوائد و مسائل: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مطلب بالکل واضح ہے کہ تین خصلتیں وہ ہیں جو دُنیا اور آخرت کے عذابوں سے نجات دلانے والی ہیں اور تین خصلتیں ایسی ہیں جو انسان کو دنیا و آخرت دونوں جگہوں میں ہلاک کردینے والی ہیں، نجات دلانے والی خصلتوں کی فہرست یہ ہے:

تقوی: ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرنا۔ ظاہر ہے کہ خوف الٰہی تمام نیکیوں کے کرنے اور تمام گناہوں سے بچنے کا سرچشمہ ہے۔ جب تنہائی اور مجمع، ظاہر و باطن، ہر جگہ، ہر حال میں بندہ خدا سے ڈرتا رہے گا تو یقیناً وہ ہر جگہ اور ہر حال میں وہی کام کرے گا جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو اور ان تمام باتوں سے بچے گا جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو ظاہر ہے کہ جس شخص کا یہ حال ہوگا وہ ان شآء اللہ تعالیٰ ضرور دونوں جہان کے عذاب سے نجات پاجائے گا۔

حق بولنا: اسی طرح جو شخص اس خَصلَت کا عادی بن جائے گا کہ وہ خوشی کی حالت میں ہو یا ناراضگی کی حالت میں ہر جگہ، ہر حال میں وہ حق بات ہی بولے گا تو وہ گناہ کی باتوں سے ہمیشہ محفوظ رہے گا اور اپنی اس حق گوئی پر جہاد کے ثواب کا مستحق ہوگا لہٰذا ان شاء اللہ تعالیٰ وہ عذاب دارین سے نجات پاجائے گا۔

درمیانی چال: اسی طرح امیری اور فقیری دونوں حالتوں میں جو درمیانی چال چلے گا تو ظاہر ہے کہ وہ دونوں حالتوں میں گناہوں سے بچے گا جس کا ثمرہ دونوں جہان کے عذاب سے بچنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہلاک کردینے والی خصلتوں کی فہرست یہ ہے:

خواہشِ نفس کی پیروی: نفس اَمّارہ کی پیروی یہی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ قرآن مجید

نے بہت ہی واضح لفظوں میں ارشاد فرمایا کہ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (1) یعنی ''نفسِ اَمَّارہ'' کا کام یہ ہی ہے کہ وہ انسان کو ہمیشہ گناہوں کا حکم دیتا رہتا ہے اور معصیتوں پر ابھارتا رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ ''معصیت اور گناہ'' ہلاکت کے سوا اور کس چیز کا سبب بن سکتی ہے؟

بخیلی کی اطاعت: اسی طرح بخیلی کی اطاعت بھی ہر قسم کی نیکیوں سے روکنے والی ہے اور بخیل کو دنیا و آخرت میں کہیں بھی آرام و راحت نصیب نہیں ہوسکتا، دُنیا میں بھی وہ طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھاتا ہے اور آخرت میں تو جہنم کے سوا اس کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے۔

بخیل ار بود زاہد بحر و بر　　　بہشتی نباشد بحکم خبر

یعنی بخیل اگرچہ خشکی اور سمندر ہر جگہ کا زاہد بن جائے پھر بھی وہ حدیث کے فرمان سے ''جنتی'' نہیں ہوگا۔

اپنی ذات پر گھمنڈ: اسی طرح اپنی ذات پر گھمنڈ یعنی اپنے کو سب سے اچھا سمجھنا یہ بھی عذاب دارین کا سبب ہے اور یہ تو وہ ہولناک گناہ اور خوفناک معصیت ہے کہ ابلیس اسی ''اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ'' کے گھمنڈ میں مارا گیا اور ذلیل کر کے بہشت سے نکالا گیا اور قیامت تک خالقِ کائنات اور اس کی تمام مخلوق کی لعنتوں میں گرفتار رہے گا۔

غیبت زنا سے بدتر

حدیث:۳۷

عَنۡ اَبِیۡ سَعِیۡدٍ وَجَابِرٍ قَالَا: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ: اَلۡغِیۡبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالُوۡا: یَارَسُوۡلَ اللّٰهِ وَکَیۡفَ الۡغِیۡبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا؟ قَالَ: اِنَّ

......ترجمۂ کنزالایمان: بیشک نفس تو بُرائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔ (پ۱۳، یوسف:۵۳)

الرَّجُلَ لَيَزْنِیْ فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ فَيَتُوْبُ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَهٗ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰى يَغْفِرَهَا لَهٗ صَاحِبُهٗ (1) (مشکوٰۃ، باب حفظ اللسان، ص ۴۱۵)

ترجمہ: حضرت ابوسعید وحضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت (گناہ) ہے تو صحابہ نے کہا کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غیبت زنا سے زیادہ سخت (گناہ) کس طرح ہے؟ تو حضور نے فرمایا کہ آدمی زنا کرتا ہے پھر توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما کر اس کو بخش دیتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کو خداوند تعالیٰ اس وقت تک نہیں بخشے گا جب تک اس کو وہ شخص معاف نہ کردے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔

حضرت جابر: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی مشہور صحابی ہیں۔ ان سے بکثرت احادیث مروی ہیں۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ جنگ بدر اور اس کے بعد کی اٹھارہ لڑائیوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک جہاد رہے شام اور مصر بھی تشریف لے گئے تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مدینہ منورہ میں ۷۴ھ کے سال، ۹۴ سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔ سب سے آخری صحابی جن کا مدینہ میں وصال ہوا وہ یہی جابر بن عبداللہ انصاری ہیں۔ (2) رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اکمال)

فوائد ومسائل: غیبت ان گناہوں میں سے ہے جو سب سے زیادہ کثیر الوقوع ہے۔ اور باوجودیکہ انتہائی سخت گناہ کبیرہ ہے یہاں تک کہ زنا سے بھی بدتر ہے مگر اس زمانے میں بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس گناہ سے محفوظ ہیں۔ عوام تو عوام جُہّال تو جُہّال بڑے

---

(1)......مشکاۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان...الخ، الحدیث: ۴۸۷۴۔۴۸۷۵، ج ۲، ص ۱۹۸

(2)......اکمال فی اسماء الرجال، حرف الجیم، فصل فی الصحابۃ، ص ۵۸۹

بڑے علماء اور مشائخ اور عابد و زاہد لوگوں کا دامن اس گناہ سے آلودہ نظر آتا ہے۔ غضب یہ ہے کہ لوگ اس طرح غیبت کے عادی ہو گئے ہیں کہ گویا غیبت ان کے نزدیک کوئی گناہ کی بات ہی نہیں ہے شاید ہی کوئی مجلس ایسی ہوگی جو اس گناہ کی نحوست سے خالی ہو۔

غیبت کیا ہے؟: کسی کو غائبانہ بُرا کہنا یا پیٹھ پیچھے اس کا کوئی عیب بیان کرنا یہی ''غیبت'' ہے۔ چنانچہ مشکوۃ شریف میں ایک حدیث ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ حضور نے فرمایا تمہارا اپنے (دینی) بھائی کی اُن باتوں کو بیان کرنا جن کو وہ ناپسند سمجھتا ہے۔ (یہی غیبت ہے) صحابہ نے کہا کہ یہ بتائیے کہ اگر میرے (دینی) بھائی میں واقعی وہ باتیں موجود ہوں (تو کیا ان باتوں کو کہنا بھی غیبت ہوگی؟) تو حضور نے فرمایا کہ اگر اس کے اندر وہ باتیں ہوں گی جبھی تو تم اس کی غیبت کرنے والے کہلاؤ گے اور اگر اس میں وہ باتیں نہ ہوں جب تو تم اس پر بہتان لگانے والے ہو جاؤ گے۔ (جو ایک دوسرا گناہ کبیرہ ہے۔)(1) (مشکوٰۃ، باب حفظ اللسان، ص ۴۱۲)

اور اگر کسی شخص کا کوئی عیب اس کو ذلیل کرنے کی نیت سے اس کے منہ پر کہہ دیا جائے تو یہ ''اِیذا رَسانی'' ہے اور غیبت و بہتان کی طرح یہ ''ایذا رسانی'' بھی گناہ کبیرہ ہے ہاں اگر اصلاح کی نیت سے کسی کا کوئی عیب اس کے سامنے نصیحت کرتے ہوئے بیان کیا جائے تو یہ نہ غیبت ہے نہ بہتان نہ اِیذا رَسانی بلکہ یہ اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف اور نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَر یعنی نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہے اور بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(1) ......مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان...الخ، الحديث: ٤٨٢٨، ج٢، ص١٩٢

کن کن لوگوں کی غیبت جائز ہے؟: حضرت علامہ ابوزکریا محی الدین بن شرف نَوَوِی (متوفی ۶۷۶ھ) نے مسلم شریف کی شرح میں فرمایا ہے کہ شرعی اَغراض ومَقاصد کے لئے کسی کی غیبت کرنا جائز اور مُباح ہے اور اس کی چھ صورتیں ہیں:

اول: مظلوم کا حاکم کے سامنے کسی ظالم کے ظالمانہ عیوب کو بیان کرنا تا کہ اس کی دادرَسی ہو سکے۔

دوم: کسی شخص کو بُرائی سے روکنے کیلئے کسی صاحب اقتدار کے سامنے اس کی برائیوں کا ذکر کرنا تا کہ وہ صاحبِ اقتدار اپنے رُعب داب سے اُس کو برائیوں سے روک دے۔

سوم: مفتی کے سامنے فتویٰ طلب کرنے کے لیے کسی کے عُیوب پیش کرنا۔

چہارم: مسلمانوں کو شر و فساد اور نقصان سے بچانے کے لیے کسی کے عیوب کو بیان کرنا مثلاً جھوٹے راویوں، جھوٹے گواہوں، بدمذہب مُصَنِّفوں اور واعِظوں کے جھوٹ اور بدمذہبی کو لوگوں سے بیان کر دینا تا کہ لوگ گمراہی کے نقصان سے محفوظ رہیں یا شادی بیاہ کے بارے میں مشورہ کرنے والے سے فریق ثانی کے عیوب کو بتا دینا یا خریدار کو نقصان سے بچانے کے لئے سامان یا سودا بیچنے والے کے عیوب سے باخبر کر دینا۔

پنجم: جو شخص علی الاعلان فِسق و فُجور اور بدعادات ومَعْصِیات کا مرتکب ہو اس کے عیوب کو بیان کرنا۔

ششم: کسی شخص کی شناخت اور پہچان کرانے کیلئے اس کے کسی مشہور عیب کو اس کے نام کے ساتھ ذکر کر دینا۔ جیسے محدثین کا طریقہ ہے کہ ایک ہی نام کے چند راویوں میں اِمتیاز اور ان کی شناخت کے لیے اَعْمَش (چندھا) اَعْرَج (لنگڑا) اَعْمٰی (اندھا) طویل (لمبا) وغیرہ عیوب کو ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں جس کا مقصد ہرگز ہرگز نہ

توہین و تنقیص ہے نہ ایذا رسانی بلکہ صرف راویوں کی شناخت اور ان کے تعارف کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔[1] (نووی علی المسلم، ص۳۲۲)

پہلوان کون ہے؟

حدیث:۳۵

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ[2]

(مسلم شریف، ج۲، ص۳۲۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو پچھاڑ دینے والا پہلوان نہیں ہے پہلوان تو وہی ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کا مالک ہے۔

شرحِ حدیث: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر لوگ اس شخص کو بہت ہی طاقتور اور ''پہلوان'' سمجھتے ہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے اور لوگ اس کو نہ پچھاڑ سکیں لیکن اللہ و رسول کے نزدیک بہت زیادہ طاقتور اور پہلوان وہ شخص ہے کہ اگرچہ وہ کسی کو پچھاڑ نہیں سکتا لیکن اس میں قوّتِ حِلم اور طاقتِ برداشت کا اتنا عظیم خزانہ ہو کہ وہ شدتِ غیظ و غضب کی حالت میں بھی اپنے نفس پر پورا پورا کنٹرول اور قابو رکھتا ہو اور غصہ کی حالت میں بھی اس سے کوئی ایسا فعل صادر نہ ہو جو عقل یا شریعت کے خلاف ہو بلکہ عین غضب کی حالت میں بھی اس کے غصہ کے جوش پر اس کا ہوش غالب رہتا ہو جس کی وجہ سے

---

[1] ......شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب البر والصلة والادب، باب تحریم الغیبة، ج۲، ص۳۲۲

[2] ......صحیح مسلم، کتاب البر...الخ، باب فضل من یملك نفسه...الخ، الحدیث:۲۶۰۸، ص۱۴۰۶

وہ کوئی خلاف شریعت حرکت نہ کرسکے اس لیے لوگوں کو پچھاڑنے والا نہ تو شریعت کی نگاہ میں کوئی قابل تعریف کارنامہ انجام دینے والا ہے نہ دنیاو آخرت میں کسی مدح وثنا کا مستحق اوراجروثواب کا حقدار ہے۔ مگر عین حالت غیظ وغضب میں جو شخص اپنے نفس پر کنٹرول اور قابو رکھےاوراس طرح اپنے نفس اَمّارہ پر غالب ہوکراس کو دبائے رکھے کہ گناہ کا صادر ہونا توبڑی بات ہےاس کے حاشیۂ خیال میں کسی گناہ کا تصور بھی نہ گزرے۔ یہ شریعت کی بارگاہ میں یقیناً دنیاوآخرت کے اندر لائقِ صد تحسین وآفرین ہےاوردونوں جہان میں انعام واکرام کےاجروثواب کے قابل ہے۔

جسمانی وروحانی طاقت: اس کا راز یہ ہے کہ کسی کو پچھاڑ دینا یا بہت زیادہ بوجھ اٹھا لینا یا مضبوط چیزوں کو توڑ ڈالنا یہ سب جسمانی طاقتوں کے کارنامے ہیں مگر نفس پر کنٹرول اور شہوانی وغضبانی طاقتوں پر قابو پالینا یہ ''روحانی طاقت'' کا کرشمہ ہےاور یہ آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت ہے کہ روحانی طاقت والا جسمانی طاقت والے سے بہت زیادہ باکمال اور طاقتور ہوا کرتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے کہ ؎

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

غصہ: کسی خلاف طبیعت چیز یا بات پر نفس کا جوش مارنا، اس کیفیت کا نام ''غصہ'' ہے۔ غصہ بذات خود نہ اچھا ہے نہ بُرا بلکہ غصہ اپنے اچھے یا برے اثرات وثمرات کے لحاظ سے اچھا یا بُرا ہوا کرتا ہے۔ اگر کسی انسان میں بالکل ہی غصہ کا مادہ ہی نہ ہو تو وہ انسان بہت سے انسانی کمالات سے محروم رہ جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنی جان و مال کی

حفاظت کا بھی اہل نہیں رہے گا۔ظاہر ہے کہ سانپ کو مار ڈالنا، چوروں اور ڈاکوؤں سے لڑنا، کفار سے جہاد کرنا، مجرموں کو سزائیں دینا یہ سب غصہ ہی کے کارنامے تو ہیں۔اگر سانپ کو دیکھ کر آپ کو غصہ نہ آئے بلکہ اس پر پیار آجائے تو آپ سانپ کو دیکھ کر فوراً ہی اس کو اپنے کلیجے سے چمٹالیں گے اور اس کے چکنے چکنے منہ کا بوسہ لینا شروع کردیں گے اور وہ چند ہی منٹ میں آپ کو ’’عدم آباد‘‘ کا ٹکٹ دے دیگا۔اور ذرا دیر میں نہ آپ ہندوستان میں رہیں گے نہ پاکستان میں بلکہ بغیر ویزا پاسپورٹ کے آپ ’’قبرستان‘‘ میں پہنچ جائیں گے۔یہ غضبی قوت اور غصہ کی طاقت ہی کا کرشمہ تو ہے کہ آپ سانپ کو مار کر اپنے سرمایۂ حیات کی حفاظت کا سامان کر لیتے ہیں۔آپ کو اپنے دشمنوں پر غصہ آتا ہے اسی لیے تو کیسے کیسے خوفناک ہتھیار اور ان کی گرفتاری کے لیے کیسے کیسے تیز رفتار ہوائی جہاز اور راکٹ آپ نے ایجاد کیے ہیں۔یہ ساری جنگی ایجادات حضرت غصہ ہی کے طفیل تو ہیں جن سے آج دنیا میں چہل پہل ہے۔اگر موسموں کے مظالم، جاڑا گرمی اور بدن کی عریانی پر آپ کو غصہ نہ آتا تو یہ سینکڑوں قسم کی پوشاکیں کہاں سے تیار ہوتیں؟

بہر حال یہ عرض کرنا ہے کہ غصہ ہر انسان میں ہونا کمال انسانی کے لوازم میں سے ہے اور غصہ فی نفسہ اور بذات خود نہ اچھا ہے نہ بُرا بلکہ غصہ اچھا اور بُرا اس وجہ سے ہوا کرتا ہے کہ بے محل غصہ آیا اور اس کے برے اثرات ظاہر ہوئے مثلاً ایک ماں سے بچھڑے ہوئے بھوکے پیاسے دودھ پیتے بچے کی گریہ وبُکا اور اس کے رونے پر آپ کو غصہ آگیا اور آپ نے اس بچے کا گلا گھونٹ کر اس کو مار ڈالا تو ظاہر ہے کہ رحمت وشفقت کے موقع پر آپ کا غصہ یقیناً بے محل اور بے موقع ہے اور اس غصہ سے جو بے رحمی کا اثر

ظاہر ہوا بلا شبہ وہ دُنیا و آخرت میں قابلِ مذمت، لائقِ عذاب اور مخلوقات اور خالقِ کائنات کی ناراضگی کا سبب ہے اور اگر کسی خوفناک ڈاکو کو ڈاکہ ڈالتے وقت دیکھ کر آپ کو غصہ آیا اور آپ نے مارے غصہ کے دانت پیستے ہوئے بندوق چلا کر اس ڈاکو کا خاتمہ کر دیا تو چونکہ آپ کا یہ غصہ بالکل برمحل اور عین موقع کے مطابق ہے کہ آپ نے ایک خطرناک ڈاکو کو قتل کر کے ہزاروں بندگانِ خدا کو سکون و اطمینان کی جنت دلا دی لہٰذا آپ گورنمنٹ کے انعام، پبلک کے اعزاز و اکرام اور خُداوندِ ذوالجلال کی طرف سے اجرِ لازوال کے مستحق ہوں گے۔

ایک مثال: گویا یوں سمجھ لیجئے کہ غصہ ایسا ہی ہے جیسے ''استرہ'' ظاہر ہے کہ اگر ''استرہ'' سے حجامت بنائی جائے تو یہ بہت ہی اچھی چیز ہے اور اگر استرہ سے ناک کاٹ لی جائے تو یہ بہت ہی بُری چیز ہے۔ تو ''استرہ'' بذاتِ خود نہ اچھا ہے نہ برا بلکہ اگر اس سے اچھا کام لیا جائے تو یہ اچھا ہے اور اگر اس سے بُرا کام لیا جائے تو یہ بُرا ہے۔ بس غصہ بھی بالکل ایسا ہی ہے کہ اگر غصہ آنے پر اس غصہ سے کوئی اچھا کام ہوا تو یہ غصہ اچھا ہے اور اگر اس غصہ سے کوئی بُرا کام ہوا تو یہ غصہ بُرا ہے اس لیے نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر غصہ اچھا ہے نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر غصہ بُرا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ غصہ اچھا بھی ہے اور بُرا بھی۔

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی کا یہی مطلب ہے کہ جو شخص غصہ کی حالت میں اپنے نفس پر کنٹرول رکھے کہ اُس کے غصہ سے کوئی خلافِ شریعت کام نہ ہونے پائے وہ ''پہلوان'' کہلانے کا مستحق ہے اور ایسا آدمی دنیا و آخرت میں اجر و ثواب کا حقدار ہے کیونکہ اس کے غصہ سے کوئی بُرا کام نہیں ہوا لہٰذا اس کا غصہ بُرا نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درازئ عمر کا نسخہ

حدیث:۳۶

عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَہٗ فِیْ رِزْقِہٖ وَیُنْسَاَ لَہٗ فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ (1) (مشکوٰۃ، باب البر والصلہ، ص ۴۱۹)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جس شخص کو یہ اچھا لگے کہ اس کی روزی میں فراخی اور اس کی عمر میں درازی ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔

فوائدومسائل: ﴿۱﴾ اس بات کو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں کے ہر کام کے لیے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوا کرتا ہے اس لیے ''رزق'' میں زیادتی اور عمر کی درازی کے بھی چند اسباب ہیں۔ اُن میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور نیک سلوک کرتا رہے تو اس عملِ خیر کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں فراخی وفراوانی ہوجائے گی اور اس کی عمر بھی بڑھ جائے گی۔

﴿۲﴾ اس حدیث کی شرح میں حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جب شارع علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے تو ایک مومن کے لیے ہے کہ اس پر ایمان رکھے اور بے چون و چرا اس پر عمل کرتا رہے اور صلہ رحمی کیوں روزی اور عمر کی زیادتی کا سبب ہے؟ اور کس طرح سبب ہے؟ اس کا علم خدا کے سپرد کردے اور ہرگز ہرگز اس معاملہ میں بحث ومباحثہ نہ کرے۔ (اشعۃ اللمعات، ج ۴، ص ۱۰۹)

1 ......مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الحديث: ٤٩١٨، ج٢، ص ٢٠٥

کیوں؟ اس لیے کہ دُنیا عالمِ اسباب ہے اور خداوندِ کریم مُسَبِّبُ الاسباب ہے اس نے جس چیز کو جس چیز کا سبب بنانا چاہا اس کا سبب بنا دیا، کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ کس لیے ہوا؟ بندہ اس کی حکمتوں سے نہ کما حقہ واقف ہے نہ واقف ہوسکتا ہے سب جانتے ہیں کہ ''سَنکِھیا'' زہر قاتل ہے اور ''تریاق'' زہروں کا علاج ہے مگر کوئی بتا تو دے کہ سنکھیا کیوں اور کیسے اور کس لیے زہر قاتل ہے؟ اور تریاق کیوں اور کیسے اور کس لیے زہروں کا علاج ہے؟ ان اسباب و مُسَبَّبات کے رَبط و اِرتِباط کو ''مُسَبِّبُ الاسباب'' کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ایک سوال و جواب: ہاں! یہاں ایک سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ''باب القَدَر'' کی حدیثوں میں مذکور ہے کہ بچہ ماں کے شکم میں رہتا ہے اسی وقت ایک فرشتہ اس کی عمر، روزی اور سعادت و شَقاوَت خدا کے حکم سے لکھ دیتا ہے جو مٹ نہیں سکتا تو جس قدر عمر اور روزی فرشتہ نے لکھ دی ہے اب اس سے زیادہ عمر اور روزی کیسے بڑھ سکتی ہے؟ تو اس سوال کا شارحینِ حدیث نے کئی طرح سے جواب دیا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

﴿۱﴾ انسان کی عمر اور روزی کی مقدار تو گھٹ بڑھ نہیں سکتی۔ فرشتہ نے بحکم الٰہی جتنی عمر اور روزی لکھ دی ہے اس کی مقدار تو اتنی ہی رہے گی مگر اللہ تعالیٰ مقدار میں اتنی برکت عطا فرمادے گا کہ یہ بہت زیادہ معلوم ہونے لگے گی۔

کسی چیز میں ''برکت'' اور ''بے برکتی'' کا تجربہ تو تقریباً ہر انسان کو ہوتا ہی رہتا ہے یہی بارہ گھنٹے کا دن کبھی اتنا مختصر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کام ہی نہیں ہوتا اور چٹ پٹ دن ختم ہوجاتا ہے اور کبھی اتنا دراز ہوجاتا ہے کہ کئی کئی دنوں کا کام ایک ہی دن میں ہوجاتا ہے اور دن اتنا بڑا معلوم ہوتا ہے کہ کاٹے نہیں کٹتا۔ چنانچہ مصنفین اسلام

مثلاً مولانا جلال الدین سیوطی، امام غزالی، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ایسے ایسے بابرکت لوگ گزرے ہیں کہ ان کی عمروں میں اس قدر زیادہ برکت ہوگئی کہ ان کی تصنیفات اوران کی عمروں کا حساب لگایا جائے تو ایک ایک دن میں اتنے اتنے اوراق ان بزرگوں نے تصنیف کردیئے ہیں کہ اگر آج کوئی بڑا ہی زُود نوِیس ان کو نقل کرنا چاہے تو ایک ہفتہ میں بھی ان کو نقل نہیں کرسکتا کیوں؟ اس لیے کہ ان بزرگوں کے اوقات میں برکت ہوا کرتی تھی ان کی تھوڑی سی عمریں اگرچہ مقدار میں تو تھوڑی تھیں مگر برکت ہوجانے سے ان کی عمریں بہت بڑھ گئیں اور لمبی لمبی عمروں والے اگرچہ مقدار میں تو ان کی عمریں بہت لمبی تھیں مگر برکت نہیں ہوئی تو اتنی جلد ان کی عمریں ختم ہوگئیں کہ گویا بہت ہی کم تھیں۔

تو اس حدیث میں ''صلہ رحمی'' کرنے والے کی روزی اور عمر میں زیادتی اور درازی کا یہی مطلب ہے کہ اس کی روزی اور عمر میں برکت ہوجاتی ہے۔

﴿۲﴾ بعض شارحینِ حدیث نے فرمایا کہ رِزق اور عمر میں زیادتی کا یہ مطلب ہے کہ اس کی روزی اور عمر ضائع نہیں ہوتی بلکہ فرشتہ نے جو روزی اور عمر لکھ دی ہے نہ اس روزی کا ایک دانہ ضائع ہوتا ہے نہ اُس عمر کا ایک لمحہ برباد ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کی روزی اور عمر کا بہت سا حصہ ضائع ہوجایا کرتا ہے تو جس کی روزی اور عمر کا کچھ حصہ بیماریوں اور دوسرے عَوارِض کی وجہ سے ضائع اور بے کار ہوگیا گویا اس کی روزی اور عمر گھٹ گئی اور جس کی روزی بالکل ضائع اور برباد نہیں ہوئی گویا اس کی روزی اور عمر بڑھ گئی۔

﴿۳﴾ بعض علماء نے فرمایا کہ روزی اور عمر بڑھنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک اولاد عطا فرماتا ہے جس کی بدولت مرنے کے بعد بھی اس کا ذکرِ جمیل دنیا میں باقی رہتا

ہے یا اس سے کوئی ایسا نیک کام انجام پا جاتا ہے کہ ہمیشہ اس کی نیک نامی کا ڈنکا بجتا رہتا ہے تو گویا اس کی روزی اور عمر بڑھ گئی اور جس کے مرتے ہی اس کی نیک نامی کا نام ونشان بالکل مٹ جاتا ہے گویا اس کی روزی اور عمر گھٹ گئی۔ (1) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(حواشی مشکوٰۃ،ص۴۱۹)

قبر میں ثواب

حدیث:۳۷

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْعِلْمٍ یُّنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْ لَهٗ. رَوَاہ مُسْلِم. (2) (مشکوٰۃ، کتاب العلم،ص۳۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس سے اس کے عمل کا ثواب کٹ جاتا ہے مگر تین عمل سے (کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے)﴿۱﴾ صدقہ جاریہ کا ثواب﴿۲﴾ یا اس علم کا ثواب جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں﴿۳﴾ یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔

شرحِ حدیث: انسان جب تک زندہ رہتا ہے قسم قسم کے اعمالِ صالحہ کرتا رہتا ہے اور اس کے نیک اعمال کا ثواب ملتا رہتا ہے مگر جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اس کے اجر وثواب کا سلسلہ بھی کٹ جاتا ہے لیکن تین آدمی ایسے خوش نصیب ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ان کے اعمال کے اجر وثواب کا سلسلہ قائم رہتا

---

1 ......حاشية المشكاة، كتاب الآداب،باب البر والصلة ...الخ، ص۴۱۹

2 ......مشكاة المصابيح، كتاب العلم،الفصل الاوّل، الحديث:۲۰۳، ج۱،ص۶۰

ہے اور برابر ان کی قبروں میں ثواب پہنچتا رہتا ہے۔

ان میں سے پہلا شخص تو وہ ہے جو اپنی زندگی میں کوئی ''صدقہ جاریہ'' کر کے مرا ہو تو اگرچہ وہ مر کر قبر میں سو رہا ہے اور کوئی عمل نہیں کر رہا ہے مگر اُس کے نامۂ اعمال میں اس کے ''صدقہ جاریہ'' کا ثواب برابر درج ہوتا رہتا ہے۔

''صدقہ جاریہ'' کیا ہے؟ مثلاً مسجد بنوانا، مدرسہ بنوانا، کنواں بنوانا، مسافر خانہ بنوانا یا کارِ خیر کے لیے کوئی جائداد وقف کر دینا۔ جب تک یہ چیزیں باقی رہیں گی برابر ان کے ثواب کا سلسلہ قائم رہے گا اور ہر لحظہ اور ہر لمحہ اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ اس کی بنوائی ہوئی مسجد میں جو نمازیں پڑھیں جائیں گی اور جتنی نمازیں پڑھیں جائیں گی جس طرح نماز پڑھنے والوں کو ثواب ملے گا اسی طرح مسجد بنوانے والے کو بھی اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ اس کے بنوائے ہوئے مدرسہ میں جو لوگ پڑھیں، پڑھائیں گے، اس کے بنوائے ہوئے کنویں سے جتنے پیاسے سیراب ہوں گے، جتنے لوگ وضو کریں گے ان سب کا ثواب مدرسہ اور کنواں بنوانے والے کو ملے گا۔ اسی طرح جائداد موقوفہ سے جتنے کارِ خیر ہوں گے سب کا ثواب واقف کو ملتا رہے گا اور وقف کرنے والے کی قبر میں اجر وثواب پہنچتا رہے گا۔

دوسرا شخص وہ ہے جو کوئی ایسا علم چھوڑ کر مرا ہو جس سے اُمَّتِ رسول کو نفع حاصل ہوتا ہو مثلاً کوئی مفید کتاب لکھ کر مرا ہو یا کچھ شاگردوں کو علم پڑھا کر مر گیا ہو یا علم دین کی کتابیں خرید کر وقف کر گیا ہو تو جس طرح علم دین پڑھنے پڑھانے والوں کو ثواب ملے گا اسی طرح اس شخص کو قبر میں بھی اجر وثواب ملتا رہے گا۔

تیسرا شخص وہ ہے جس نے اپنی اولاد کو تعلیم و تربیت دے کر نیک اور صالح

بنا دیا ہو تو اس کے مرنے کے بعد اس کی سب اولاد جو اس کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کرتی رہے گی اس کا اجر و ثواب اس کو ہمیشہ ملتا رہے گا۔ خداوند کریم ہر مسلمان کو دنیا میں ان تینوں اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بیٹیاں

حدیث:۳۸

اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: جَاءَ تْنِیْ اِمْرَأَۃٌ وَمَعَھَا اِبْنَتَانِ لَھَا فَسَئَلَتْنِیْ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِیْ شَیْئًا غَیْرَ تَمْرَۃٍ وَاحِدَۃٍ فَاَعْطَیْتُھَا اِیَّاھَا فَاَخَذَتْھَا فَقَسَمَتْھَا بَیْنَ اِبْنَتَیْھَا وَلَمْ تَاْکُلْ مِنْھَا شَیْئًا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ وَابْنَتَاھَا فَدَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُہٗ حَدِیْثَھَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْھِنَّ کُنَّ لَہٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ (1)

(مسلم، ج۲، ص۳۳۰، باب فضل الاحسان الی البنات)

ترجمہ: حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مبارکہ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میرے پاس ایک عورت اپنی دولڑکیوں کے ساتھ آئی اور مجھ سے کچھ مانگا تو میرے پاس اس نے ایک کھجور کے سوا کچھ نہیں پایا میں نے وہی کھجور اس کو دیدی تو اس نے اس کھجور کو اپنی دونوں لڑکیوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور خود اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا پھر وہ اُٹھی اور اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ باہر چلی گئی۔ پھر جب میرے پاس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو میں نے حضور سے اس عورت

---

(1)......صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ...الخ، باب فضل الاحسان الی البنات، الحدیث:۲۶۲۹، ص۱۴۱۴

کی بات بیان کردی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیٹیوں کے ساتھ مبتلا کیا گیا اور انکے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اسکے لیے جہنم سے پردہ بن جائیں گی۔

فوائد و مسائل: ﴿۱﴾ اس حدیث کی بعض روایتوں میں یوں بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَوْجَبَ لَھَا بِھَا الْجَنَّۃَ اَوْ اَعْتَقَھَا بِھَا مِنَ النَّارِ (1) (مسلم، جلد۲، ص۳۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لئے جنت واجب فرمادی یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اس عورت کو اللہ تعالیٰ نے جہنم سے آزاد فرمادیا۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یوں آیا ہے کہ جو مسلمان دو بیٹیوں کی ان کے بالغ ہونے تک پرورش کرے گا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا کہ میں اور وہ دونوں اس طرح قیامت کے دن ساتھ رہیں گے۔

﴿۲﴾ اس حدیث میں ہے کہ جب بھیک مانگنے والی عورت اپنی دو لڑکیوں کے ساتھ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئی تو اس وقت حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک ہی کھجور تھی وہی ایک کھجور انہوں نے سوال کرنے والی عورت کو دیدی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ کے لیے مال کثیر ہی ضروری نہیں ہے بلکہ کم سے کم چیز کو بھی صدقہ کرنے میں شرم وحیاء نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کو دیکھنے والا ہے وہ تھوڑے صدقہ پر بھی زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے بشرطیکہ صدقہ دینے والے میں اخلاص نیت ہو۔

﴿۳﴾ اس حدیث میں بیٹی والے باپ کو حضور نے "مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ"

(1)......صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ...الخ، باب فضل الاحسان الی البنات، الحدیث: ۲۶۳۰، ص ۱۴۱۵

فرمایا یعنی خدا نے اس کو بیٹیاں دے کر امتحان اور آزمائش میں ڈالا۔سوال یہ ہے کہ خدا نے بیٹیوں کو باپ کے لیے ذریعۂ اِبتلا و آزمائش کیوں فرمایا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ چونکہ عموماً بیٹیوں سے رغبت نہیں رکھتے بلکہ بعض تو نفرت کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں انسانی عادت کا بیان فرماتے ہوئے حضرت حق جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌo (1)
یعنی جب کسی کو بیٹی ملنے کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ گھٹنے لگتا ہے۔

غرض بیٹیاں عام طور پر ناپسندیدہ ہوا کرتی ہیں اور جب کسی کو کوئی ایسی چیز ملے جو اس کو پسند نہ ہو تو درحقیقت وہ چیز اس کے لیے ذریعۂ اِبتلا اور آزمائش ہی کا سامان ہوگی اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیٹیوں کو باپ کے لیے ذریعۂ اِبتلا اور آزمائش اور امتحان کا سامان بتایا۔

﴿۴﴾ اس حدیث میں ان ماؤں اور باپوں کے لیے بہت بڑی ''بشارت عظمیٰ'' اور عظیم الشان خوشخبری ہے جو چند بیٹیوں کے ماں باپ ہیں اور محبت و شفقت کے ساتھ ان بیٹیوں کو خدا کی نعمت سمجھ کر پالتے اور پرورش کرتے ہیں اور بالغ ہوجانے پر پورے اعزاز کے ساتھ اس کی شادی بیاہ کرکے ان کو اپنے گھر سے رخصت کرتے ہیں۔ان شاءاللہ تعالیٰ ان ماؤں اور باپوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن اپنے ساتھ رکھیں گے اور یہ ایمان ہے کہ قیامت کے دن جس خوش نصیب کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامنِ رحمت مل گیا اس کا بیڑا پار ہوگیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے آزاد فرمادے گا اور ضرور اس کو جنت عطا فرمادے گا۔

---

1 ......ترجمۂ کنزالایمان: اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے۔ (پ ۱۴، النحل: ۵۸)

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر اس پر ایمان کے ساتھ پورے پورے طور پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے اس کی سعادت دارین کی گارنٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر بیٹی والے باپ کو اس آزمائش اور امتحان میں کامیاب فرمائے اور اپنی امداد و نصرت سے ایسے والدین کی خاص طور پر مدد فرمائے۔

آمِین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِینِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِین.

خیرخواہی

حدیث:۳۹

عَنْ زِیَادِ بْنِ عَلَاقَةَ قَالَ: سَمِعْتُ جَرِیْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ یَوْمَ مَاتَ الْمُغِیْرَۃُ بْنُ شُعْبَةَ قَامَ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ وَقَالَ: عَلَیْکُمْ بِاتِّقَاءِ اللّٰہِ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَالْوَقَارِ وَالسَّکِیْنَةِ حَتّٰی یَاْتِیَکُمْ اَمِیْرٌ فَاِنَّمَا یَاْتِیْکُمُ الْآنَ ثُمَّ قَالَ: اِسْتَعْفُوْا لِاَمِیْرِکُمْ فَاِنَّہٗ کَانَ یُحِبُّ الْعَفْوَ ثُمَّ قَالَ: اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْتُ: اُبَایِعُکَ عَلَی الْاِسْلَامِ فَشَرَطَ عَلَیَّ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ فَبَایَعْتُہٗ عَلٰی ھٰذَا وَرَبِّ ھٰذَا الْمَسْجِدِ اِنِّیْ لَنَاصِحٌ لَکُمْ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ (1) (بخاری، ج۱، ص۱۴)

ترجمہ: زیاد بن علاقہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا جس دن مُغِیرہ بن شُعبہ (حاکم کوفہ) کا وِصال ہوا تو وہ (خطبہ کے لیے) کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا کہ تم لوگوں پر لازم ہے کہ اللہ سے ڈرو جو وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ہے اور وقار و سکون کو لازم پکڑو یہاں تک کہ تمہارا دوسرا حاکم آجائے اور وہ اب آتا ہی ہے پھر کہا کہ اپنے سابق حاکم کے لیے مغفرت کی دعا

(1)......صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الدین النصیحة...الخ، الحدیث:۵۸، ج۱، ص۳۵

کرو اس لیے کہ وہ بھی عفو و درگزر کو پسند کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ جب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں (بیعت کے لیے) حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے ساتھ یہ شرط لگا کر کہ ہر مسلمان کی ''خیر خواہی'' کرنا مجھے بیعت فرمایا تو میں نے اس شرط پر آپ سے بیعت کرلی۔ مجھے اس مسجد کے رب کی قسم ہے کہ (اے کوفہ والو!) میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ پھر آپ نے مغفرت کی دعا مانگی اور منبر پر سے اُتر گئے۔

شرحِ حدیث: حضرت جریر بن عبداللہ بَجَلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کے گورنر حضرت مُغِیرہ بن شُعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے دن کوفہ کی جامع مسجد میں خطبہ پڑھتے ہوئے اس حدیث کو بیان فرمایا۔ چونکہ گورنر کے انتقال کے بعد عموماً عوام میں اِنْتشار پھیل جانے کا خطرہ ہوتا ہے خصوصاً کوفہ جہاں کے لوگ اِنْتشار اور ہیجان پھیلانے کے عادی تھے اس خطرہ کا بہت زیادہ امکان تھا اس لیے حضرت جریر بن عبداللہ بَجَلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عوام کو پرسکون رہنے کی تلقین فرمانے کے لیے یہ خطبہ دیا اور اس خطبہ میں خدا کی حمد و ثناء کرنے کے بعد آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو! تم لوگ اپنے ہر عمل اور اپنی ہر حرکت و سکون میں ہمیشہ خوف الٰہی کو اپنے پیش نظر رکھو اور خبردار! کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے اللہ تعالیٰ تم پر ناراض ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ تم لوگ نہایت ہی سکون و اطمینان کے ساتھ رہو بہت جلد مرکزی حکومت کی طرف سے نیا گورنر آنے والا ہے جو آکر نظامِ حکومت سنبھال لے گا۔ پھر آپ نے عوام سے یہ فرمائش کی کہ تم لوگ اپنے سابق گورنر (حضرت مغیرہ بن شعبہ) کے لیے دعائیں مانگو کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مغفرت کے انعام و اکرام سے نوازے کیونکہ تمہارا سابق گورنر بہت زیادہ درگزر کرنے والا اور

خطا کاروں کی خطائیں معاف کرنے والا تھا۔ پھر اس کے بعد آپ نے یہ حدیث سنائی کہ میں جب بارگاہ رسالت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوا اور میں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کی کہ یارسول اللہ! میں اسلام پر قائم رہنے کی بیعت کرتا ہوں تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس شرط پر مجھ کو بیعت فرمایا کہ اسلام پر قائم رہنے کے ساتھ ساتھ تم عمر بھر ہر مسلمان کی خیر خواہی کرتے رہنا۔ چنانچہ میں نے اس شرط کو قبول کرتے ہوئے بیعت کی۔ لہٰذا میں اس مسجد کے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں جس طرح اپنی بیعت کے مطابق آج تک ہر مسلمان کی خیر خواہی کرتا رہا ہوں تمہارا بھی خیر خواہ ہوں اور تمہاری خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہوئے میں تم لوگوں کو پُرسکون رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے مغفرت کی دعا فرمائی اور منبر سے اتر گئے۔

حضرت مُغِیرہ بن شُعْبہ: بہت ہی شاندار اور زیرک وہوشیار صحابی ہیں۔ مُلکی انتظام اور نظم ونسق قائم کرنے کا ان کو بڑا ملکہ اور بہترین مہارت تھی۔ انتہائی طاقتور، عالی دماغ اور بہادر تھے۔ ان کا تعلق قبیلہ ثَقِیف سے تھا اس لیے ثَقَفی کہلاتے ہیں۔ جنگِ خَنْدق کے سال ۵ھ میں اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا اور حضرت امیر مُعاوِیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے دور حکومت میں ان کو کوفہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ چنانچہ کوفہ کی گورنری کے دوران ہی ۵۰ھ میں مرض طاعون میں مبتلا ہو کر ستر سال کی عمر میں وصال فرمایا(1) اور ان کے بعد حضرت جریر بن عبداللہ بَجَلی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہی

......اکمال فی اسماء الرجال، حرف المیم، فصل فی الصحابة، ص٦١٦ والاعلام للزرکلی، ج٧، ص٢٧٧

کو مرکزی گورنمنٹ نے کوفہ کا گورنر بنا دیا۔(اکمال وغیرہ)

فوائد و مسائل: ﴿۱﴾ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الشروط میں بھی ذکر کیا ہے اور امام مسلم نے کتاب الایمان میں اور امام نسائی نے بیعت کے باب میں تحریر کیا ہے۔(1)

﴿۲﴾ ”نصیحة“ عربی میں بہت ہی جامع لفظ ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ ”خیر خواہی کرنا، دوسروں کا بھلا چاہنا“ ہے۔

”دوسروں کا بھلا چاہنا“ اور ہر مسلمان کے ساتھ ”خیر خواہی“ کرنا، اس کے مفہوم میں بڑی وُسعت ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ”ہر مسلمان کی خیر خواہی“ یہ ایک ایسا عملِ خیر ہے کہ اگر ہر مسلمان اس تعلیم نبوت کو حرزِ جان بنا کر اس پر عمل شروع کر دے تو ایک دم مسلمانوں کے بگڑے ہوئے معاشرہ کی کایا پلٹ جائے اور ”مسلم معاشرہ“ آرام وراحت اور سکون و اطمینان کا ایک ایسا گہوارہ بن جائے کہ دنیا ہی میں بہشت کے سکون و اطمینان کا جلوہ نظر آنے لگے۔

ظاہر ہے کہ جب ہر مسلمان اپنی زندگی کا یہ نصب العین بنا لے گا کہ میں ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا تو ہر قسم کے مکر و فریب، نقصان و ضرر، ظلم و ستم، بغض و حسد، خِلاف و شِقاق، عِناد و نفاق، بدخواہی و اِیذا رسانی تمام قبیح خصلتوں کا مسلمانوں کے گھروں سے جنازہ نکل جائے گا اور ہر مسلمان ہر ایک مسلمان کے لیے صلاح و فلاح اور نفع رَسانی و بھلائی کے سوا نہ کچھ کر سکے گا نہ کچھ سوچ سکے گا نہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ساتھ خیانت کرے گا نہ چغلی غیبت اور اِفترا پردازی کا مرتکب ہو گا نہ ظلم کے کسی پہلو

---

(1)......عمدة القاری، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الدین النصیحة...الخ، تحت الحدیث: ۵۸، ج۱، ص۴۷۴

کو بھی اپنے گوشۂ خیال میں آنے دے گا نہ کسی کے بنتے ہوئے کام میں روڑا اٹکائے گا بلکہ وہ سب کا بھلا چاہے گا اور سب کے ساتھ بھلائی کرے گا۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ بھی اس کی خیر خواہی اور بھلائی کریں گے اور وہ بھی ہر نقصان سے محفوظ رہے گا اور ہمیشہ اس کا بھلا ہوتا رہے گا۔

﴿۳﴾ علامہ کرمانی نے "اَلنُّصحُ لِکُلِّ مُسلِمٍ" کی شرح میں تحریر فرمایا کہ "وَاَمَّا النَّصِیحَۃُ لِلعَامَّۃِ فَاِرشَادُھُم اِلٰی مَصَالِحِھِم وَکَفُّ الاَذیٰ عَنھُم" یعنی عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا یہ مطلب ہے کہ ہر مسلمان کو اس کی مصلحتوں اور بھلائیوں کی طرف رہنمائی کرتے رہنا اور ہر مسلمان سے ہر قسم کی تکالیف کو دور کرتے رہنا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کی ہر قسم کی نفع رسانی کرنا اور ہر مسلمان کو ہر قسم کی ضرر رسانی سے بچانا۔(1) واللہ تعالٰی اعلم۔

بول میں ہلکے تول میں بھاری

حدیث: ۴۰

عَن اَبِی ھُرَیرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہُ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ: کَلِمَتَانِ حَبِیبَتَانِ اِلَی الرَّحمٰنِ خَفِیفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیلَتَانِ فِی المِیزَانِ سُبحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمدِہٖ سُبحَانَ اللّٰہِ العَظِیمِ (2)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی ہیں انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی

(1)......حاشیۃ صحیح البخاری، ج۱، ص۱۳ (و فیہ " قال الخطابی " واللہ تعالیٰ اعلم)

(2)......صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی: و نضع الموازین القسط...الخ، الحدیث: ۷۵۶۳، ج۴، ص۶۰۰

علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو کلمے رحمٰن کو بہت زیادہ محبوب ہیں یہ زبان پر بہت ہی ہلکے اور میزانِ عمل میں بہت ہی بھاری ہیں (وہ دو کلمے یہ ہیں)

" سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ "

فوائد و مسائل: یہ صحیح بخاری شریف کی سب سے آخری حدیث ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب کو "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" کی حدیث سے شروع فرمایا اور اس حدیث پر اپنی کتاب کو ختم فرمایا اس لیے کہ حدیثِ نیت کا تعلق دنیا سے ہے کیونکہ دنیا اعمال کا گھر ہے اور اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے اور اس حدیث کا تعلق آخرت سے ہے کیونکہ میزان عمل کی تول آخرت میں ہوگی۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہو گیا کہ میزان عمل میں اسی کے اعمال کا وزن بھاری ہوگا جس کی نیت اچھی ہوگی۔

﴿۲﴾ ان دونوں جملوں میں خدا کی تسبیح اور حمد کا ذکر ہے۔ علامہ کرمانی نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں۔ ایک "صِفاتِ وُجودِیَّہ" جیسے حیات، علم، قدرت، کلام، سمع، بصر وغیرہ اِن کو "صِفاتُ الْاِکرام" کہتے ہیں۔ دوسری "صِفاتِ عَدَمِیَّہ" جیسے لَاشَرِيْكَ لَهٗ، لَامِثْلَ لَهٗ، لَافَنَا لَهٗ وغیرہ اِن کو "صِفاتُ الْجلال" کہتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ذاتِ اقدس کو "ذُو الْجَلالِ وَالْاِكْرام" فرمایا ہے۔

تو ان کلمات میں "تسبیح" سے خدا کی صِفاتُ الْجلال کی طرف اشارہ ہے اور "حمد" سے صِفاتُ الْاِکرام کی طرف اشارہ ہے اور اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو تمام عیوب و نقائص سے پاک جانتا اور مانتا ہوں اور اس کی تمام صفات کمالیہ کے ساتھ اس کی حمد و ثناء کرتا ہوں۔(1) (حواشی بخاری، ص ۱۱۲۹)

(1)......حاشية صحيح البخاری، ج ۲، ص ۱۱۲۹

﴿۳﴾اس حدیث میں " کَلِمَتَانِ " سے مُراد " کَلَامَانِ " ہے کیونکہ لغت میں کلام کو بھی کلمہ کہتے ہیں لہٰذا اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ یہ دو کلام یعنی دو جملے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب اور پسند ہیں، زبان پر بہت ہلکے پھلکے ہیں کیونکہ چھوٹے چھوٹے جملے ہیں مگر قیامت کے دن میزانِ عمل میں جب اعمال تولے جائیں گے تو ان جملوں کے اجر و ثواب کا وزن بہت بھاری ہوگا یعنی عمل بہت تھوڑا سا ہے مگر اس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔

﴿٤﴾ بخاری شریف کی ''کتاب الدعوات'' میں ہے کہ ان دونوں جملوں میں سے ایک جملہ کے ثواب کا ذکر فرماتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ فِیْ یَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَایَاهُ وَاِنْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ (1) یعنی جو شخص دن بھر میں ایک سو مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" پڑھ لے تو اس کے تمام گناہ (صغیرہ) معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

﴿٥﴾ کسی عمل پر اجر و ثواب عطا فرمانا یہ خداوند کریم کے فضل و کرم پر موقوف ہے وہ مالک بے نیاز چاہتا ہے تو تھوڑے سے عمل پر اجرِ عظیم عطا فرما دیتا ہے اور اس کے فضل و کرم کی کوئی حد نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ارشاد ہے:

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ○ (2)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنا فضل جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

---

(1)......صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب فضل التسبیح، الحدیث: ٦٤٠٥، ج٤، ص ٢١٩

(2)......ترجمۂ کنزالایمان: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔ (پ٢٧، الحدید: ٢١)

لہٰذا اگر کسی چھوٹے عمل پر اپنے فضلِ عظیم سے وہ ثوابِ عظیم عطا فرمائے تو یہ اس کے فضل وکرم کا جلوہ ہے۔ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ

مختصر تذکرۂ مُحدِّثین

(صحاحِ سِتّہ کے مُصَنِّفِین اور دوسرے چند محدثین کا تعارف)

حضرت امام بخاری: آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور نام ونسب محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مُغیرہ بن بَرْدِزْبَہ بخاری جُعْفِی ہے۔ آپ کے پردادا ''مغیرہ'' حاکم بخارا ''یمان جعفی'' کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور چونکہ اس زمانے کا دستور تھا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا تھا اس کی اسی قبیلہ کی طرف نسبت کیا کرتے تھے اس لیے امام بخاری کو بھی لوگ ''جعفی'' کہنے لگے۔

آپ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے اور باسٹھ برس کی عمر میں شب شنبہ عید الفطر کی رات میں عشاء کی نماز کے وقت ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔ اور ''خرتنگ'' نامی گاؤں میں جو سمرقند سے دس میل کے فاصلہ پر ہے مدفون ہوئے۔

آپ بچپن ہی میں نابینا ہو گئے تھے مگر آپ کی والدہ کی دعاؤں سے خداوند تعالیٰ نے پھر آپ کو بصارت عطا فرما دی۔ بچپن ہی سے حدیثوں کو یاد کرنے کا شوق تھا اور حافظہ بے حد قوی تھا دس برس کی عمر سے حدیثیں یاد کرنے لگے یہاں تک کہ سولہ برس کی عمر میں حضرت عبداللہ بن مبارک (شاگرد ابو حنیفہ) کی تمام کتابوں کو یاد کر ڈالا۔

پھر اپنی والدہ اور اپنے بھائی احمد بن اسمٰعیل کے ہمراہ حج کے لیے گئے۔ حج کے بعد والدہ اور بھائی تو وطن واپس چلے آئے مگر آپ حجاز میں حدیث پڑھنے کے لیے ٹھہر گئے۔ پھر تمام علمی درسگاہوں کا سفر کر کے ایک ہزار اَسّی شُیوخ کی خدمتوں میں حاضری دے کر چھ لاکھ حدیثوں کو زبانی یاد کر لیا۔ آپ نے علم حدیث کی طلب میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، بغداد، مصر، واسط، الجزائر، شام، بلخ، بخارا، مَرو، ہرات، نیشاپور وغیرہ علمی مرکزوں کا بار بار سفر فرمایا۔

آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مگر آپ کی ”صحیح بخاری شریف“ بہت شاندار اور بلند پایہ حدیث کی کتاب ہے جو صحاح ستہ میں سب سے بڑی اور عظیم الشان کتاب ہے۔ جس کو چھ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے سولہ برس کی محنت شاقّہ اٹھا کر آپ نے تصنیف فرمایا۔ اس کتاب میں کل حدیثیں اگر مُکرَّرات و مُعلَّقات و مُتابِعات کو شامل کر کے شمار کی جائیں تو نو ہزار بیاسی حدیثیں ہیں اور اگر مکررات کو حذف کر کے گنتی کی جائے تو صحیح بخاری شریف کی کل حدیثوں کی تعداد صرف دو ہزار سات سو اکسٹھ رہ جاتی ہے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد نوّے ہزار ہے جنہوں نے صحیح بخاری شریف کو بلا واسطہ خود امام بخاری سے پڑھا اور آپ کے سب سے آخری شاگرد محمد بن یوسف فِرَبری ہیں جنہوں نے ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔

امیرِ بخارا خالد بن احمد ذہلی نے اس بناء پر کہ آپ اس کے لڑکوں کو اس کے دربار میں حدیث پڑھانے کے لیے تشریف نہیں لے گئے آپ کو بخارا سے شہر بدر کر دیا آپ بخارا سے نیشاپور چلے گئے۔ وہاں کے متکبر حاکم سے بھی آپ کی نہیں بنی تو مجبوراً آپ ایک چھوٹے سے گاؤں خرتنگ میں بیٹھ کر حدیثوں کا درس دینے لگے یہاں تک

کہ اسی گاؤں میں آپ کی وفات ہوگئی۔ دفن کے بعد آپ کی قبر کی مٹی سے مشک کی خوشبو آنے لگی۔ چنانچہ مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا کہ لوگ دور دور سے آکر آپ کی قبر کی مٹی کو خوشبو کی وجہ سے اٹھالے جاتے تھے۔

امام بخاری نہایت زاہد و پرہیزگار اور صاحب تقویٰ و عبادت گزار تھے۔ عمر بھر کسی کی غیبت نہیں کی۔ اُمراء و سلاطین کے درباروں میں کبھی نہیں گئے۔ درس حدیث کے بعد فاضل اوقات میں کثرت نوافل اور تلاوتِ قرآن مجید کا شغل رکھتے تھے۔(1) رحمہ اللہ تعالیٰ (بستان المحدثین، مقدمہ بخاری وغیرہ)

امام مسلم: آپ کی کنیت ابوالحسین اور نام ونسب مُسلم بن حجاج بن مسلم ہے اور لقب عساکر الدین ہے۔ بنی قُشَیر قبیلہ کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے ''قُشَیری'' کہلاتے ہیں۔ نیشاپور کے رہنے والے ہیں۔ جو خُراسان کا بہت ہی خوبصورت اور مردم خیز شہر ہے۔ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور بعضوں نے آپ کا سنِ ولادت ۲۰۴ھ اور بعض نے ۲۰۶ھ تحریر کیا ہے۔ مگر ان کی وفات پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ۲۴ رجب ۲۶۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

آپ کا شمار حدیث کے جلیل القدر اماموں میں ہے۔ آپ نے حدیث کی طلب میں عراق، حجاز، شام، مصر وغیرہ کے بہت سے علمی مراکز کا سفر کیا۔

آپ کے استادوں میں امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، قُتَیبہ بن سعید، اسحٰق بن راہویہ، عبداللہ بن مسلمہ قَعنَبی وغیرہ سینکڑوں ائمہ حدیث ہیں اور امام ترمذی و ابوبکر بن خزیمہ جیسے حدیث کے پہاڑوں نے آپ کی شاگردی اختیار کی۔ تین لاکھ

(1)......مقدمة صحيح البخاری، الفصل الاوّل، ص ٣-٤ ملتقطاً
وبستان المحدثین (مترجم) ص ٢٦٦-٢٧٣ ملتقطاً

حدیثیں آپ کو زبانی یاد تھیں۔

آپ کی بہت سی تصانیف میں سے آپ کی کتاب ''صحیح مسلم شریف'' جو صحاح ستہ میں داخل ہے اس میں فن حدیث کے عجائبات اور خاص کر لطائف اَسناد اور متونِ حدیث کے حسنِ سیاق کی ایسی بے مثال مثالیں ہیں جو بلاشبہ نوادرات کا درجہ رکھتی ہیں۔

آپ کی وفات کا سبب بڑا ہی عجیب وغریب ہے۔ آپ ایک حدیث کی تلاش میں کتابوں کی ورق گردانی کرتے رہے۔ کھجوروں کا ایک ٹوکرا آپ کے قریب رکھا ہوا تھا۔ مطالعہ کی حالت میں ایک ایک کھجور اس میں سے کھاتے رہے اور مطالعہ میں اس قدر مُنْہمِک ہو گئے کہ حدیث ملنے تک تمام کھجوریں تناول فرما گئے اور آپ کو کچھ خبر نہیں ہوئی اس کے بعد آپ کو درد شکم ہوا اور یہی آپ کی وفات کا سبب بنا۔(1) رحمہ اللہ تعالٰی

(بستان المحد ثین، اکمال وغیرہ)

امام ترمذی: آپ کی کنیت ابوعیسی اور نام ونسب محمد بن عیسی بن سورہ بن موسٰی بن ضحاک سلمی بُوغی ہے۔ ''بوغ'' ایک گاؤں کا نام ہے جو شہر ''ترمذ'' سے چھ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اس گاؤں کی طرف نسبت ہونے سے آپ ''بوغی'' بھی کہلاتے ہیں۔ آپ اسی گاؤں میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳ رجب شب دوشنبہ ۲۷۹ھ میں وفات پائی اور خاص ''ترمذ'' شہر میں مدفون ہوئے۔

آپ امام بخاری کے سب سے مشہور شاگرد وجانشین شمار کئے جاتے ہیں اور آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ خود امام بخاری نے بعض حدیثوں میں ان کی شاگردی اختیار فرمائی ہے۔ علم حدیث کے لیے ہزاروں میل کا سفر کیا۔ آپ کی تصنیفات میں سے

……بستان المحدثین(مترجم)،ص۲۷۸ـ ۲۸۲ ملتقطاً

واکمال فی اسماء الرجال،الباب الثانی فی ذکر ائمۃ...الخ،ص۶۲۷

''جامع ترمذی شریف'' بے حد مشہور و مقبول کتاب ہے جو صحاح ستہ میں داخل ہے اور اس قدر مفید کتاب ہے کہ مجموعی حیثیت سے اس کو صحاح ستہ کی تمام کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔ آپ اپنے دور کے بے مثال عابد و زاہد تھے، شب بیداری اور خوف الٰہی عزوجل سے گریہ وزاری کے سبب سے پہلے آنکھوں میں آشوبِ چشم ہوا پھر بینائی جاتی رہی۔[1] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (بستان المحدثین واکمال وغیرہ)

امام ابوداؤد: آپ کا نام ونسب سلیمان بن اشعث بن شداد بن عمرو ہے۔ ۲۰۲ھ میں بمقام بصرہ میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۱۶ شوال ۲۷۵ھ کو بصرہ ہی میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کا وطن بصرہ تھا۔ مگر بارہا آپ نے بغداد میں اقامت فرمائی اور مدتوں بغداد میں رہے۔ آپ نے علم حدیث کی طلب میں حجاز، عراق، خراسان، جزیرہ وغیرہ کا سفر فرمایا اور ہزاروں محدثین سے حدیث کی سماعت و روایت فرمائی۔ عمر بھر حدیث کا درس دیتے رہے اسی لیے آپ کے شاگردوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ان کا شمار انتہائی دشوار ہے۔

''کتاب سُنن ابوداؤد'' آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چُن کر چار ہزار آٹھ سو احادیث آپ نے اپنی اس کتاب میں جمع فرمائی ہیں۔ کتاب سُنن ابوداؤد صحاح ستہ میں داخل ہے۔[2] بغداد کے اولیاء کرام آپ کا بے حد احترام کرتے

---

[1] ......بستان المحدثین (مترجم)، ص۲۸۹۔۲۹۰
واکمال فی اسماء الرجال، الباب الثانی فی ذکر ائمة...الخ، ص۶۲۷
وتذکرة الحفاظ، الطبقة العاشرة، ج۱، الجزء۲، ص۱۵۵

[2] ......بستان المحدثین (مترجم)، ص۲۸۳۔۲۸۹
و تهذیب التهذیب، حرف السین من اسمه سلیمان، ج۳، ص۴۵۷

تھے بغداد کے ایک صاحب کرامت مشہور ولی حضرت سہل بن عبداللہ تُستَری ایک دن امام ابوداود کی ملاقات کے لیے آئے اور فرمایا کہ اے ابوداود آپ اپنی زبان باہر نکالیے میں آپ کی زبان کا بوسہ لوں گا کیوں کہ آپ اس زبان سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اصرار سے مجبور ہو کر امام ابوداؤد نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالی اور سہل بن عبداللہ تُستَری نے نہایت گرمجوشی اور پیار کے ساتھ امام ابوداؤد کی زبان چوم لی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (بستان المحدثین وتاریخ ابن ماجہ وغیرہ)

امام نَسائی: امام قاضی ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی نسائی بہت ہی جلیل القدر اور بلند پایہ محدث ہیں۔ آپ کی کتاب ”سُنن نَسائی“ صِحاحِ سِتّہ میں داخل ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ آپ کے اساتذہ وتلامذہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ درس حدیث وفتاویٰ وتصنیف کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے عبادت گزار تھے۔ تمام عمر صوم داودی کے پابند رہے۔ یعنی ایک دن کا ناغہ دے کر ہمیشہ روزہ رکھتے رہے۔ امراء وسلاطین کے درباروں سے سخت مُتَنَفِّر اور ان لوگوں کی ملاقاتوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہے۔ ۲۱۴ھ میں آپ خراسان کے شہر ”نَسا“ میں پیدا ہوئے اور مصر کے حاسد علماء کے ہاتھوں سے بلاقصور مار کھا کر اور زخمی ہو کر آپ مکہ مکرمہ چلے آئے اور ۱۳ صفر ۳۰۳ھ میں آپ کو شہادت نصیب ہوئی اور صفا مروہ کے درمیان مدفون ہوئے مگر ابن یونس کا قول ہے کہ آپ کی وفات ۱۳ صفر ۳۰۳ھ کو فلسطین میں ہوئی پھر وہاں سے آپ کی لاش مبارک مکہ مکرمہ پہنچائی گئی۔ (1) (واللہ تعالیٰ اعلم)

(بستان المحدثین، اکمال، تہذیب التہذیب)

......بستان المحدثین (مترجم)، ص ۲۹۵۔۲۹۸
واکمال فی اسماء الرجال، الباب الثانی فی ذکر ائمۃ...الخ، ص ۶۲۷
وتہذیب التہذیب، حرف الالف، ذکر من اسمہ احمد، ج ۱، ص ۶۸۔۶۹

امام ابن ماجہ: ابوعبداللہ کنیت، محمد بن یزید نام اور رَبعی قزوِینی نسبت ہے مگر عام طور پر ''ابن ماجہ'' کے عرف کے ساتھ مشہور ہیں اور صحیح قول یہی ہے کہ ''ماجہ'' آپ کی والدہ کا نام ہے۔ صِحاح سِتّہ میں ''سُنن ابن ماجہ'' آپ ہی کی تصنیف ہے۔ آپ ''قزوِین'' کے رہنے والے ہیں جو ایران کے صوبہ آذربائیجان کا ایک مشہور شہر ہے۔ آپ نے حدیث کی طلب میں حجاز، عراق، شام، خُراسان کا علمی سفر فرمایا اور خاص کر بصرہ، کوفہ اور بغداد و حرمین شریفین و دمشق کے شہروں میں مقیم رہ کر تقریباً تین سو دس شُیوخ سے احادیث کی روایت فرمائی، لاکھوں حدیثوں کے ذخیروں میں سے انتخاب کر کے چار ہزار روایات کو مختلف ابواب کے تحت پوری مناسبت کے ساتھ اپنی کتاب ''سنن ابن ماجہ'' میں درج فرمایا۔ عمر بھر علم حدیث کے درس و تدریس کا مَشغلہ رہا بلند پایہ محدثین میں آپ کا شمار ہے۔(1)

۲۰۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۲۱ رمضان ۲۷۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ محمد بن علی قَہرَمان اور ابراہیم بن دینار ورّاق دو بزرگوں نے آپ کو غسل دیا اور آپ کے بھائی ابوبکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے دونوں برادران ابوبکر و عبداللہ اور آپ کے فرزند عبیداللہ نے آپ کو قبر میں اتارا۔ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (تاریخ ابن ماجہ وغیرہ)

امام دارمی: ان کی کنیت ابومحمد اور نام و نسب عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی ہے۔ سمرقند کے علماء میں سے نہایت ہی بلند پایہ حافظ حدیث ہیں۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداود کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ابوحاتم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ اپنے زمانے کے امام تھے۔ قبیلہ بنی تَمِیم میں ایک خاندان دارم بن مالک بن حنظلہ کی طرف نسبت ہونے

---

1 ...... بستان المحدثین (مترجم)، ص۲۹۸ ـ ۳۰۰

کی وجہ سے ''دارمی'' کہلاتے ہیں۔ ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔ چوہتّر برس کی عمر شریف ہوئی۔ (1) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (اکمال)

امام بیہقی: ابوبکر احمد بن حسین بَیْہَقی شعبان ۳۸۴ھ میں نیشاپور سے تیس کوس دور ''بُیْہَق'' نامی گاؤں میں پیدا ہوئے اس لیے ''بیہقی'' کہلاتے ہیں۔ زہد و تقویٰ اور دیانت و عبادت میں علمائے ربانیین کی تمام خصائل حمیدہ کے جامع تھے۔ امام حاکم کے بلند مرتبہ شاگردوں میں سے ہیں۔ فن حدیث وفقہ اور تصانیف میں یکتائے روزگار ہوئے ہیں۔ مشہور فقیہ وقت محمد بن عبدالعزیز مَروزی کا بیان ہے کہ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صندوق زمین سے آسمان کی طرف اڑا جا رہا ہے اور اس کے اِرد گرد نور چمک رہا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ امام بُیہقی کی تصنیفات کا صندوق ہے جو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو گیا ہے۔

آپ کی کل تصنیفات کا اندازہ بڑے سائز کے سولہ ہزار صفحات کے قریب ہے۔ ۱۰ جمادی الاُولیٰ ۴۵۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ لوگ ان کو تابوت میں رکھ کر ''بُیْہَق'' گاؤں میں لائے اور مقام خُسْرُو جِرْد میں دفن کیا۔ (2) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بستان المحدثین واکمال)

امام خطابی: ان کی کنیت ابوسلیمان اور نام ونسب احمد بن محمد خطّابی ہے اپنے دور کے ''علامۃ العصر'' اور یکتائے دہر تھے۔ فقہ وحدیث اور ادب وغیرہ میں بہت ہی باکمال اور فخر روزگار تھے۔ ان کی تصنیفات بھی بہت ہی مشہور اور عجیب ہیں۔ مَعالِمُ السنن،

---

(1) ......اکمال فی اسماء الرجال، الباب الثانی فی ذکر ائمة...الخ، ص۶۲۸

(2) ......بستان المحدثین (مترجم)، ص۱۳۳۔۱۳۵
واکمال فی اسماء الرجال، الباب الثانی فی ذکر ائمة...الخ، ص۶۲۸

اِعْلامُ السنن، غریب الحدیث آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ آپ شارح الحدیث بھی ہیں۔ ۳۸۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (1) رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (اکمال)

امام بَغَوِی: ابو محمد حسین بن مسعود بَغَوِی فقیہ شافعی کا شمار فقہ وحدیث کے اماموں میں ہے۔ بہت ہی متقی و پرہیز گار اور صحیح العقیدہ دیندار عالم دین تھے۔ کتاب المصابیح، شرح السُّنۃ حدیث میں، کتاب التہذیب فقہ میں، اور مَعالِمُ التَّنزیل تفسیر میں آپ کی مشہور تصنیفات ہیں۔ خراسان کے ایک شہر ''بَغْشور'' یا شہر ''بَغ'' کی طرف نسبت کی وجہ سے بغوی کہلاتے ہیں۔ ۵۱۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (2) (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) (اکمال)

امام نَوَوِی: آپ کی کنیت ابوزکریا اور نام ونسبت محی الدین یحییٰ بن شرف نَوَوی ہے۔ اپنے دور کے امام اور بہت بڑے عالم وفاضل، انتہائی متقی و پرہیز گار فقیہ ومحدث تھے۔ صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں، فقہ میں ان کی کتاب الروضہ، حدیث میں الریاض اور الاذکار، شروحِ حدیث میں شرح مسلم وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ آپ دمشق کے ایک گاؤں ''نویٰ'' کے رہنے والے تھے۔ ۶۵۰ھ میں جب کہ آپ کی عمر اُنیس برس کی تھی اپنے گاؤں سے دِمَشْق شہر آئے اور علوم حاصل کر کے فقہ وحدیث میں فضل وکمال حاصل کیا۔ آپ بہت بڑے حق گو، انتہائی قناعت پسند اور سادہ زندگی بسر کرنے والے تھے۔ بہت زیادہ شب بیدار اور دن رات علمی مَشاغل اور اعمالِ صالحہ میں مصروف رہتے تھے۔ رجب ۶۷۶ھ میں وفات پائی، آپ کی قبر شریف نویٰ گاؤں میں مسلمانوں کی زیارت گاہ ہے۔ پینتالیس برس کی عمر پائی۔ (3) رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (اکمال)

(1)......اکمال فی اسماء الرجال، الباب الثانی فی ذکر ائمۃ...الخ، ص۶۲۸

(2)......اکمال فی اسماء الرجال، الباب الثانی فی ذکر ائمۃ...الخ، ص۶۲۸

(3)......اکمال فی اسماء الرجال، الباب الثانی فی ذکر ائمۃ...الخ، ص۶۲۸

نوٹ: اس قسم کے دوسو محدثین وفقہاءِ امت کے مفصل حالات، ان کی علمی وعملی خدمات اور عبادات وکرامات کا تذکرہ ہماری کتاب ''اولیائے رِجال الحدیث'' میں پڑھئے اس کتاب کو مدارس عربیہ کے طلبہ ومدرسین، واعظین اور عامۃُ المسلمین سبھی نہایت ہی والہانہ عقیدت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

دُعا

اے خداوند جہاں، اے کردگار　　سارے عالَم کا تُو ہے پروردگار
شکر تیرا کس طرح سے ہو ادا　　نعمتیں یارب ہیں تیری بے شمار
خالق و مالک تو سب کا بالیقین　　سب ہیں تیرے بندۂ خدمت گزار
سب کا تو معبود، سب عابد ترے　　تیرے در کے سب گدائے خاکسار
نیکیوں سے ہاتھ خالی ہیں مرے　　تیری رحمت کا ہوں میں اُمیدوار
بخش دے یارب گناہوں کو مرے　　تو ہے غَفّار، اور میں عِصیاں شِعار
ہے ترے دربار میں یہ التجا!　　گو نہیں دُنیا میں میرا کچھ وقار
وعدہ فرمایا ترے محبوب نے　　دو جہاں میں ہیں جو میرے غمگسار
میری اُمَّت کو ''مِری چالیس بات''　　جو بھی پہنچا دے گا بن کر دیندار
حشر یوں فرمائے گا اُس کا خدا　　وہ بنا ہوگا فقیہ نام دار
اور میں ہوجاؤں گا اس کا شفیع　　اور گواہی دوں گا اس کی شاندار
یہ بشارت سُن کے اے ربِّ کریم　　نخل دل میں آگئی میرے بہار
اس لیے ''چالیس اقوالِ رسول''　　چھاپتا ہوں لکھ کے یارب بار بار
فضل سے اپنے عطا کر اے خدا　　اعظمی کو بھی یہ رتبہ، یہ وقار

قطعاتِ تاریخ

ایں رسالہ چو تحریر کرد اعظمی　　گفت ہاتف کہ ''اَحْسَنْتَ'' صدمرحبا
گر کسے سالِ تصنیف پُرسد بگو　　گشت تاریخِ او، باغ فردوس ما

(۱۳۹۴ھ)

دیگر

لکھ رہا ہوں حدیثِ رسولِ خدا　　میری تحریر میں خُلد انوار ہے
ہے تصور حبیبِ خدا کا مجھے　　سامنے میرے طیبہ کا دربار ہے
مصطفیٰ کے یہ چالیس اقوال ہیں　　ان پہ قربان جنّت کا گلزار ہے
جمع چالیس ایسی حدیثیں ہوئیں　　حشر میں جن سے بیڑا مرا پار ہے
مومنوں کے لیے ''باغِ فردوس'' ہے　　کُفر کے واسطے حق کی تلوار ہے
یہ جواہر حدیثوں کے ہیں اعظمی!　　ان کی تاریخ اقوالِ مُختار ہے

(۱۳۹۴ھ)

تاریخِ اِفتتاحِ تصنیف　　تاریخِ اِختتامِ تصنیف

۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ　　۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ

مآخذ ومراجع

مطبوعه	مصنف	نام کتاب
دار الفکر بیروت	امام احمد بن محمد الصاوی المالکی ۱۲۴۱ھ	حاشیة الصاوی
پشاور	امام احمد ملا جیون جونپوری ۱۱۳۰ھ	التفسیرات الاحمدیة
دارالکتب العلمیة بیروت	امام محمد بن اسماعیل بخاری۲۵۶ھ	صحیح البخاری
دار ابن حزم بیروت	امام مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری ۲۶۱ھ	صحیح مسلم
دار الفکربیروت	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسی الترمذی۲۷۹ھ	سنن الترمذی
دار احیاء التراث العربی	امام ابو داود سلیمان بن اشعث۲۷۵ھ	سنن ابی داود
دارالکتب العلمیة بیروت	الشیخ ولی الدین ابی عبداللّٰہ محمد بن عبداللّٰہ ۷۴۱ھ	مشکاة المصابیح
دار احیاء التراث العربی	ابو عبد اللّٰہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی۱۲۵۰ھ	نیل الاوطار
دار الفکر بیروت	ابو العباس شهاب الدین احمد القسطلانی ۹۲۳ھ	ارشاد الساری
مدینة الاولیاء ملتان	امام بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی۸۵۵ھ	عمدة القاری
مدینة الاولیاء ملتان	علامه سید محمود احمد رضوی	فیوض الباری
باب المدینه کراچی	علامه سید غلام جیلانی ۱۳۹۸ھ	بشیر القاری
باب المدینه کراچی	الشیخ محی الدین یحیی بن شرف النووی ۶۷۶ھ	شرح صحیح مسلم
دار الفکر بیروت	نورالدین علی بن سلطان(ملاعلی قاری)۱۰۱۴ھ	مرقاة المفاتیح
کوئٹه	شیخ عبد الحق محدث الدهلوی ۱۰۵۲ھ	اشعة اللمعات
باب المدینه کراچی	علامه مسعود بن عمر التفتازانی ۷۹۲ھ	شرح عقائد النسفیة مع الحواشی
باب المدینه کراچی	احمد علی السهارنفوری۱۲۹۷ھ	حاشیة صحیح البخاری
باب المدینه کراچی	احمد علی السهارنفوری۱۲۹۷ھ	حاشیة المشکاة المصابیح
برکات رضا الهند	القاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ۵۴۴ھ	الشفاء
دار صادر بیروت	حجة الاسلام امام محمد بن محمد الغزالی۵۰۵ھ	احیاء علوم الدین
دار الفکر بیروت	امام احمد بن علی بن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ	تهذیب التهذیب
دار الکتب العلمیة بیروت	امام شمس الدین محمد بن احمد الذهبی ۷۴۸ھ	تذکرة الحفاظ
باب المدینه کراچی	الشیخ ولی الدین ابی عبداللّٰہ محمد بن عبداللّٰہ ۷۴۱ھ	اکمال فی اسماء الرجال
باب المدینه کراچی	شاہ ولی اللّٰہ محدث دهلوی ۱۱۷۶ھ	بستان المحدثین
ضیاء القرآن پبلی کیشنز	امام شرف الدین محمد بن سعید بوصیری۶۹۶ھ	القصیدة البردة
مرکز الاولیاء لاهور	محمد بن محمد جلال الدین الرومی۶۷۲ھ	مثنوی مولانا روم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

سنّت کی بہاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰه عَزَّوَجَلَّ تبلیغِ قرآن وسنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **دعوتِ اسلامی** کے مہکے مہکے مَدَنی ماحول میں بکثرت سنّتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں، ہر جمعرات کو **فیضانِ مدینہ** محلہ سوداگران پرانی سبزی منڈی میں مغرب کی نماز کے بعد ہونے والے سنّتوں بھرے اجتماع میں ساری رات گزارنے کی مَدَنی التجا ہے، عاشقانِ رسول کے مَدَنی قافلوں میں سنّتوں کی تربیت کے لیے سفر اور روزانہ **"فکرِ مدینہ"** کے ذریعے مَدَنی انعامات کا رسالہ پُر کرکے اپنے یہاں کے ذمّہ دار کو جمع کروانے کا معمول بنالیجئے، اِنْ شَآءَ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ اس کی برکت سے پابندِ سنّت بننے، گناہوں سے نفرت کرنے اور ایمان کی حفاظت کے لیے کُڑھنے کا ذہن بنے گا۔

ہر اسلامی بھائی اپنا یہ ذہن بنائے کہ **"مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔"** اِنْ شَآءَ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ اپنی اصلاح کے لیے **"مَدَنی انعامات"** پر عمل اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کے لیے **"مَدَنی قافلوں"** میں سفر کرنا ہے۔

مکتبة المدینہ کی شاخیں

- کراچی: شہید مسجد، کھارادر۔ فون: 021-32203311
- لاہور: داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ۔ فون: 042-37311679
- سردارآباد (فیصل آباد): امین پور بازار۔ فون: 041-2632625
- کشمیر: چوک شہیداں، میرپور۔ فون: 058274-37212
- حیدرآباد: فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن۔ فون: 022-2620122
- ملتان: نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ۔ فون: 061-4511192
- اوکاڑہ: کالج روڈ بالمقابل غوثیہ مسجد، نزد تحصیل کونسل ہال۔ فون: 044-2550767
- راولپنڈی: فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک، اقبال روڈ۔ فون: 051-5553765
- پشاور: فیضانِ مدینہ گلبرگ نمبر 1، النور اسٹریٹ، صدر۔
- خان پور: دُرانی چوک، نہر کنارہ۔ فون: 068-5571686
- نواب شاہ: چکرا بازار، نزد MCB۔ فون: 244-4362145
- سکھر: فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ۔ فون: 071-5619195
- گوجرانوالہ: فیضانِ مدینہ، شیخوپورہ موڑ، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4225653
- گلزارِ طیبہ (سرگودھا): فیضانِ مدینہ، بالمقابل جامع مسجد۔ فون: 048-6007128

مکتبة المدینہ (دعوتِ اسلامی)

فیضانِ مدینہ محلہ سوداگران پرانی سبزی منڈی باب المدینہ (کراچی)

فون: 4921389-93/4126999 فیکس: 4125858

Email:maktaba@dawateislami.net \ www.dawateislami.net